حمد نمبر

اُردو زبان و ادب کی ضوفشانیوں سے مزین
فتح جنگ سے نکلنے والا واحد ادبی مجلّہ

کتابی سلسلہ (۸)

دھنک رنگ

سرپرست: حسین امجد

داؤد تابش، سجاد حسین سرمد

حمد نمبر

۸

سہ ماہی

دھنک رنگ

فتح جنگ

اُردو زبان وادب کی ضوفشانیوں سے مزین

فتح جنگ سے نکلنے والا واحد مجلّہ

(جنوری،فروری،مارچ ۲۰۲۱ء)

سرپرست
حسین امجد

مدیرِ اعلیٰ
داؤد تابش

مدیر
سجاد حسین سرمد

مجلسِ مشاورت

محمود ناصر،ندیم افضال

طلعت نورین سحر

قانونی مشیر

سیّد دلدار حسین شاہ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

نایاب پبلی کیشنز، اٹک(پاکستان)

مصنّفین کی تحریروں سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

برائے خط و کتابت: ☆ مکان نمبر 588، گلی نمبر 10 محلّہ نگر اٹک کینٹ
☆ الحق کمپوزر ضلع کچہری اٹک
☆ پہلوان چوک فتح جنگ شہر
برقی پتہ: alhaqcomputer@gmail.com
موبائل نمبر: (سرپرست:0313-4749191)
(مدیرِ اعلیٰ:0312-5107270)
(مدیر:0332-5858567)
وٹس اَپ نمبر: 0313-3780058
ملنے کا پتہ: کتب خانہ مقبول عام اٹک
قیمت: -/500روپے

جہت نما

صفحہ نمبر

☆ اظہارِ تشکر حسین امجد (سرپرست مجلّہ ہذا) ۴
اداریہ(۱) داؤد تابش (مدیرِ اعلیٰ مجلّہ ہذا) ۵
☆ اداریہ(۲) سجاد حسین سرمد (مدیر مجلّہ ہذا) ۶

مضامین:(۸تا۱۵۲)

ڈاکٹر محمد ایوب شاہد۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد۔ڈاکٹر افضالہ شاہین۔ڈاکٹر احسان اللہ طاہر۔سید صبیح رحمانی۔ محسن اعظم محسن ملیح آبادی۔پروفیسر اکبر علی غازی۔ریاض ندیم نیازی۔اورنگزیب

حمدیں:(۱۵۳تا۲۲۴)

ابرار حسین نیئر،احسان الٰہی احسن ،ارشد محمود ناشاد،اعجاز چشتی ،اکرام الحق اورنگ،انجیل صحیفہ،تنویر پھول، ثقلین انجم،جاذب قریشی،جلیل عالی،جنید آزر،حامد علی سید،حسنین ساحر،حسین امجد،خورشید بیگ میلسوی، خیال آفاقی ،دانیال طریر،داؤد تابش ،دلاور علی آزر،راجا رشید محمود،راشد علی مرکھیانی،راغب مراد آبادی، ریحانہ تبسم فاضلی ،زینب سروری،ساجد رضا خان،سجاد سخن،سعادت حسن آس،سلطان محمود بسمل،سید تابش الوری ،سید طاہر،شاداب احسانی ،شارق رشید ،شاعر علی شاعر،شاہ روم خان ولی ،شفقت حیات،شمس القمر عاکف ،شوکت محمود شوکت ،شہناز مزمل ،شیریں عنبر لغاری ،طاہر اسیر،طاہر سلطانی ،طاہر شیرازی ،ظفر ہاشمی ،عزیز الحسن مجذوب ،عزیز الدین خاکی ،غلام ربانی فروغ ،فرخندہ توقیر شمع ،قمر آسی ،کاشف رفیق،گستاخ بخاری،گوہر ملیسانی،گہر اعظمی،لطیف اثر،محبت خان بنگش،محسن ملیح آبادی،محمد احمد زاہد،محمد اقبال نجمی ،محمد ایوب شاہد،محمد رفیق مغل ،محمد عثمان ناظر،محمد یونس خان ہوید،محمود ناصر،مشتاق عاجز ،مظفر وارثی، مقصود علی شاہ،منظر عارفی،منور ہاشمی،یاسر رشید۔

اظہارِ تشکر

''دھنک رنگ'' کے حمد نمبر سے پہلے ضلع اٹک میں ڈاکٹر افضالہ شاہین نے ''پاکستان میں اُردو حمد گوئی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ہمارے لیے یہ خوش آئند امر ہے ڈاکٹر صاحبہ نے حمد کے حوالے سے پاکستان بھر میں پہلا مقالہ لکھا۔اُن سے قبل پاکستان میں پی ایچ ڈی سطح پر حمد پر تحقیقی مقالہ نہیں تھا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں ضلع اٹک حمد کے جامعاتی تحقیقی میدان میں اولیت کا حامل ہے۔ضلع اٹک میں حمد یہ شعری مجموعے کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی جسے حال ہی میں شوکت محمود شوکت نے پورا کیا۔جن کا حمد یہ مجموعہ ''اللہ اکبر'' کے نام سے طبع ہوا۔دھنک رنگ کا حمد نمبر ضلع اٹک کے ادبی منظر نامے کا تیسرا پڑاؤ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد حمد کے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی سرمائے میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں سجاد حسین سرمد نے پاکستان بھر کے ادیبوں سے رابطہ کیا اور ہمیں کہیں سے بھی مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ خاص طور پر طاہر سلطانی، صبیح رحمانی ، ڈاکٹر احسان اللہ طاہر، ڈاکٹر افضالہ شاہین اور دلاور علی آزر نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا۔جن کی وساطت سے ہی یہ رسالہ تکمیل آشنا ہوا۔ میں اِن احباب کا ممنون ہوں۔

حسین امجد

سرپرست

اداریہ(۱)

اُردو رسائل میں حمد نمبر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔کئی رسائل نے اس سلسلے میں کام کیا ہے۔ دھنک رنگ نے سابقہ روایت کوملحوظِ خاطر رکھ کر یہ نمبر ترتیب دیا ہے۔ نعت نمبر اور ڈاکٹر منور ہاشمی نمبر کے بعد یہ نمبر بھی قارئین میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گا۔ موضوع کی مناسبت سے ضخامت کی کمی شاید آپ کے لیے حیرانی کا باعث بنے لیکن اِس نمبر میں ہم نے کچھ مخصوص ضابطے مقرر کر رکھے تھے۔ ہماری کوشش تھی کہ انھی شعرا کو رسالے میں جگہ دی جائے جو حمد کے باقاعدہ شاعر ہیں لہٰذا آپ کو زیادہ تر وہی نام نظر آئیں گے نیز اس بار ہم نے حمد کے تحقیقی اور تنقیدی سرمائے کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ میرے خیال میں اسی سرمائے سے تخلیق کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔

ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ بھی ایسے ہی عظیم کام کر کے اُردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کریں۔ دھنک رنگ نہ صرف اُردو بلکہ اسلامی اور پاکستانی ادب کا ترجمان رسالہ ہے۔ ہم ادیب بعد میں ہیں جبکہ مسلمان اور پاکستانی پہلے ہیں لہٰذا ہماری کوشش یہی ہوگی کہ اس پلیٹ فارم کے ذریعے ایسے ادب کو بڑھایا جائے جس میں اسلام کی خوشبو رچی بسی ہو اور جو حب الوطنی کے چراغ روشن کرے۔

داؤد تابش

(مدیر اعلیٰ)

اداریہ(۲)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے ادبی طبقے میں نظریات کا تصادم نظر آتا ہے۔ دائیں بازو اور بائیں بازو کی تقسیم، الحادی اور توحیدی افکار، چراغِ مصطفوی بمقابلہ شرارِ بولہبی، ادب کے محبوب نظریات رہے ہیں۔ دہریہ طبقہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہوئے مذہبی طبقہ کی ریشہ دوانیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور یوں اچھے بھلے لوگ اس فکر سے متاثر ہو کر ملحد ہوئے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں یہ رویہ بہت پرانا ہے جس کی بازگشت آج تک سنائی دیتی ہے۔ اِس دور میں بھی ادیبوں کی کثیر تعداد ملحد ہے، مذہب کا مذاق اڑاتی ہے، توحید کے خلاف سیکڑوں دلائل پوٹلی میں اٹھائے پھرتی ہے جبکہ اس کے مقابل دائیں بازو کے امین توحیدی افکار کو باضابطہ طور پر اپنانے سے گریزاں ہیں۔ اسلامی اور پاکستانی ادیبوں کو قدرِ اعلیٰ کا تعین کرنا ہوگا اور ادب محض ادب کے نظریے میں اپنے بنیادی عقیدہ (توحید) کو جگہ دینی ہوگی۔ ''ادب کا کوئی مذہب نہیں'' کہنا میرے خیال میں بے پر کی اڑانا ہے۔ کوئی وجود بے نظریہ نہیں لہٰذا ہمیں چودہ سو سال پہلے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظریۂ توحید اور اس بنیاد پر کھڑے ہوئی عمارت کو سنبھالا دینا ہوگا۔ ''دھنک رنگ'' کا ''حمد نمبر'' اپنے اسی آزادانہ تشخص کو واضح کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے جس کے سوتے اسلام سے پھوٹے ہیں۔

پنجابی زبان میں حمد کا سرمایہ ہمارے پیشِ نظر تھا۔ ڈاکٹر احسان اللہ طاہر نے میری درخواست پر اِس موضوع پر پنجابی زبان میں ایک مضمون بھی لکھا لیکن محترم داؤد تابش نے شرط رکھی کہ اگر پنجابی اور بالخصوص کیمبل پوری لہجے میں درجن بھر حمود دستیاب ہو جائیں تو انھیں الگ گوشے کی شکل میں شائع کیا جائے۔ پنجابی زبان کی حد تک تو یہ ممکن تھا لیکن کیمبل پوری لہجے میں

مجھے کوئی سرمایہ میسر نہ آسکا۔ یوں صرف اُردو حمدیں اور مضامین ہی شامل کیے جارہے ہیں۔ حال ہی سید نصرت بخاری نے کیمبل پوری لہجے کی شناخت کے حوالے سے ایک ضخیم مضمون کتابچے کی صورت میں شائع کیا ہے، یقیناً اربابِ نقد اِس خطے کی بولی کے انفرادای تشخص کو قبول کرلیں گے۔

سال ۲۰۲۰ء ادب کے کئی درخشندہ ستارے لے کر ڈوب گیا۔ دسمبر کے آخری عشرے کی ۲۵ تاریخ کو ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی بھی ہمیں چھوڑ گئے۔ مدت تک میرا نظریہ رہا ہے کہ ہم اُردو تنقید اور فکشن کے ''دورِ فاروقی'' (یعنی دورِ شمس الرحمٰن فاروقی) میں رہ رہے ہیں۔ اب وہ بھی نہیں رہے۔ انھوں نے بجا طور پر اُردو زبان پر بے شمار احسانات کیے۔ انڈیا جیسے متعصب ملک میں رہنے والے کے باوجود انھوں نے اپنی زبان سے محبت کا حق ادا کیا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔

کئی چاند تھے سرِ آسماں جو چمک چمک کے پلٹ گئے
نہ لہو مرے ہی جگر میں تھا نہ تمھاری زلف سیاہ تھی

سجاد حسین سرمد
(مدیر)

توحید کا منظوم بیانیہ: حمد

ڈاکٹر محمد ایوب شاہد

قرآن عزیز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''حمد'' صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ قرآن عزیز میں ''الحمد'' لفظ ۳۸ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ قرآن عزیز کی ابتدا ہی ''الحمداللہ'' سے ہوتی ہے۔ یہاں 'ال' کو بعض مفسرین نے اختصاص، بعض نے استغراق اور بعض دوسروں نے 'جنس' کے لیے بنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ''ال'' تمام حوالوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ''الحمد'' کی ہر قسم خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس میں جس قدر غلو برتا جائے، وہ غلو نہیں ہے۔ یہ تو وہ ہستی جس کے بعد مراتب ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا جس قدر بھی تعریف میں مبالغہ کیا جائے، کم ہے۔ اس کی تعریف کا حق ادا کرنا انسانوں کے بس سے باہر ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ خود قرآن عزیز اس دعوے پر دلائل دیتا چلا جاتا ہے اور یہی مدلل انداز ہے کہ دعویٰ اور دلیل سے ''حمد'' کو ثابت کرتا ہے۔ صرف چند مثالیں دیکھیں:

۱۔ **الحمدلله رب العالمين** (الفاتحہ ۱/۱) دعوے یہ ہے کہ ساری کی ساری تعریف اللہ کے لیے ہے اور دلیل کہ وہ ایک عالم نہیں بل کہ عالمین، تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ پرورش کرنے والا ہے۔ مزید الرحمٰن، الرحیم اور مالک یوم الدین، صفات کا ذکر کیا جس سے محمود (اللہ) کے احسانات مزید بڑھ گئے۔

۲۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ** (الانعام ۶/۱)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا۔ پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ) کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔''

یہاں بھی دیکھیے، دعویٰ وہی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے ہیں اور دلائل: (۱) آسمانوں کا تخلیق کرنے والا، (۲) زمین کا پیدا کرنے والا، (۳) تاریکیاں، نور کو بنانے والا۔ اب حمد کا سزاوار کوئی اور بھی ہو تو اپنے دعویٰ پر دلیل لائے، ظاہر ہے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے لہٰذا اُس کے سوا دوسروں کو رب کے برابر قرار دینا بے دلیل ہے۔

۳۔ وَھُوَاللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَo (القصص ۲۸/۷۰)

''وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرماں روائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے ساتھ حمد کا ذکر کیا ہے اور دنیا اور آخرت میں صرف اُسی کے لیے حمد، الٰہ ہونا صرف اللہ کا۔ یہ تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان بل کہ احسانِ عظیم ہے۔ یہ صفتِ ربوبیت تمام انسانوں کو انسانوں کی بندگی، محتاجی اور غلامی سے نکالنے والی اور صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ نیاز تسلیم کروانے والی ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مندرجہ بالا آیات کے پس منظر میں اب آپ اس دعویٰ کا جائزہ لیں کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو یہ بات نہ صرف واضح ہوتی ہے بلکہ انسانی ذہن اسے قبول بھی کرتا ہے کہ واقعی کوئی دوسری ہستی کائنات میں ایسی تھی نہ ہے نہ ہوگی جو حیات و کائنات کی تخلیق کا دعویٰ کر سکے، چنانچہ جب خالق اللہ ہے، رب اللہ ہے، مالک اللہ ہے تو پھر الٰہ بھی اللہ ہے اور قرآن عزیز میں جس چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے بل کہ جس گناہ کو نا قابلِ معافی قرار دیا گیا ہے، وہ شرک ہے چنانچہ تمام طرح کی تعریف، حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ قابلِ قبول ہے، کوئی ایسا دعویٰ محبت، جس میں محبت ہو لیکن ربوبیت نہ ہو، نا قابلِ قبول ہے۔ دراصل اسلام کی بنیاد توحید (رسالت و آخرت) پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن عزیز میں محبت طلب نہیں کی اور نہ محبت الٰہی کو دین کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ایسا ممکن ہے بل کہ ایسا ہے کہ اہلِ مذہب اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی انسان ہو جو روحانیت کا قائل ہو اور محبت الٰہی کا انکار کر دے لیکن اگر توحید نہیں ہے تو دعویٰ محبت باطل ہے۔

یاد رہے کہ یہ ''الٰہ'' ہونا اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ واضح طور پر فرمایا گیا: ان اللہ لا لغیر۔ احدیت ذاتِ باری تعالیٰ کے مضمون کی وجہ ہی سے سورۃ اخلاص کو حدیث میں ایک تہائی قرآن قرار دیا گیا۔ یہاں ایک نہایت اہم بات بھی واضح کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے توحید اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رسالت کے تسلیم کرنے کا مطالبہ تو کیا ہے لیکن

کہیں بھی ''محبت'' طلب نہیں کی۔ اس لیے کہ توحید اور رسالت کے بغیر محبت بے معنی ہے۔ ایک انسان اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کرے لیکن دوسروں کو بھی حمد میں شریک کرے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محمد بن عبداللہ ہونے کی حیثیت سے بہت تعریف کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار نہ کرے تو ایسی حمد و نعت، غیر مقبول ہے۔ چناں چہ ایمان لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھا جائے۔ ایمان کے بغیر تمام دعاوی محبت، قبول نہیں۔

اگر حمد باری تعالیٰ کا ہم اپنی شاعرانہ روایت میں جائزہ لیں تو یہاں دو طرح کے افکار کے حوالے سے حمد موجود ہے۔ ایک تو خالص اسلام کے عقیدۂ توحید کے حوالے سے اور دوسرا وحدت الوجود کے حوالے سے۔ قدیم شعرا اکثر تصوف کے مسائل کا ذکر کرتے ہیں اور ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ (وحدت الوجود کی رُو سے یہ فقرہ درست یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر شے میں دیکھتے ہیں) گویا موجود، صرف وجودِ واحد (وحدت الوجود) ہے۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تُو ہی آیا نظر جدہر دیکھا

سراپا میں اس کے نظر کر کے
جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تُو ہے ، مہماں تُو ہے

آخری شعر کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اسلم چھینہ لکھتے ہیں:

''امیر مینائی کے زیرِ نظر شعر میں خدائے بزرگ و برتر کو میزبان اور مہمان، دونوں حیثیتوں کا حامل دکھا کر فلسفۂ وحدت الوجود کی ترجمانی کی گئی ہے۔ شاعر کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں دسترخوان سجا کر اپنے وجود کے مختلف اجزا (مخلوقات، جن میں سرِ فہرست انسان ہے) کو کھانا کھلا رہا ہے یعنی خود ہی میزبان ہے اور خود ہی مہمان بنا ہوا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کائنات اور اس کے جملہ مظاہر اس کی مخلوق ہیں۔ اس نے تنہا سب چیزوں کو لفظ ''کن'' [۱] کہہ کر بنایا

ہے۔کوئی چیز اس کے وجود کا حصہ رہی ہے اور نہ بنے گی۔ وہ کسی سے جنا
گیا ہے اور نہ کسی کو اس نے جنا ہے۔کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔ وہ صمد ہے،
تنہا ہے، تنہا رہے گا۔'' (فکرِ نو، ص ۲۰۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے توحید اور وحدت الوجود کا فرق ظاہر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ وحدت الوجود کے تحت اللہ تعالیٰ کی انفرادیت اور شناخت ختم ہوجاتی ہے۔ جب ''اللہ عین کائنات'' ہے تو پھر یکتائی کا تصور ختم ہوجاتا ہے بل کہ خالقیت کا تصور بھی ''اعیانِ ثابتہ نے خارج کی بو تک نہیں سونگھی'' کہہ کر ختم کر دیا گیا۔

حمد باری تعالیٰ جس کو ہم نے توحید کے حوالے سے خاص کیا ہے اور یہ ہم نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اختصاص قائم کیا ہے کہ تعریف وستائش صرف توحید کے حوالے سے قابلِ قبول ہے۔ (لا الہ الا اللہ) اس توحیدی حمد کو ایک اور حوالے سے دانستہ یا نادانستہ وجودی حمد سے تبدیل کرنے کی کاوش کی گئی۔اصلاً تو یہ مسئلہ علم الکلام کا ہے جس کے تحت وحدت الوجود کا تصور دیا گیا۔ ہماری شاعری میں حمدِ باری تعالیٰ اسی حوالے سے ہے۔ یہ تصور کہ وجود واحد ہے اور صرف اللہ کا ہے، اپنی تشریح میں تخلیق کے برعکس تنزلات اور تعینات کو قبول کرتا ہے بل کہ اعیانِ ثابتہ نے خارج کی بو نہیں سونگھی، کہہ کر ابنِ عربی نے تخلیق کا واضح انداز میں انکار کر دیا اور اللہ عین کائنات ہے کا نوافلاطونی تصور قبول کیا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ وجودی فکر تمام مذاہب میں موجود ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی حمد جو توحید کے بجائے وحدت الوجود کے حوالے سے ہماری شاعری میں ہے، وہ سرے سے حمد ہی نہیں۔

جہاں تک دیگر اشیا وافراد کی تعریف کا تعلق ہے تو اس کے لیے لفظ ''مدح'' استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ انسان کو جو احساسِ جمال عطا کیا گیا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

اللہ جمیل ویحب جمال: اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔

لہٰذا انسان حسن وخوب صورتی سے متاثر ہوتا ہے اور دراصل یہ بھی حمد کی ہی ایک صورت ہے۔ جب کسی حسین شے کو دیکھ کر انسان سبحان اللہ کہتا ہے تو دراصل وہ تخلیق کار کی تعریف کرتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام طرح کی خوبیاں، حسن اور بزرگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، کوئی بذاتِ خود ان کمالات اور خوبیوں کو نہ تخلیق کرنے پر اور نہ عطا کرنے پر قادر ہے۔

قرآن عزیز کے ساتھ ساتھ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں، حمد اپنی صفت شکر کے ساتھ پوری زندگی کے معاملات پر حاوی ہی نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام 'احمد' رکھا ہے جس کا مطلب ہے 'بہت تعریف کرنے والا' اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا چنانچہ مختلف مواقع پر ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور اپنی امت کو حمد الٰہی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

الحمدلله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه انشور :اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور ہمیں ہر پھر کر اُسی کی طرف جانا ہے۔

الحمدلله الذی اطعمناوسقانا وجعلنا مسلمین: سب تعریف خدا کو ہے جس نے ہمیں کھانا دیا اور پانی دیا۔ اور ہمیں اپنا فرماں بردار (مسلمان) بنایا۔

الحمدلله الذی عافانی مماابتلاك به وفضلنی علیٰ کثیرممن خلق تفضیلاً۔: تعریف ہے اس خدا کو جس نے مجھے اس بلا سے عافیت دے رکھی ہے۔ جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں حمد کا ایک نیا انداز ملتا ہے۔ وہ حیات و کائنات کے تخلیقی عمل میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت اور ربوبیت کی بات کرتے ہیں اور چوں کہ اقبال کی فکر میں قرآنی اثر غالب ہے، اس لیے اس میں وہی دعویٰ و دلیل کا منطقی ربط موجود ہے مثلاً ان کی مختصر نظم میں اس نئے اندازِ حمد کو دیکھیں:

الارض للہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ ساز کو؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھردی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دہ خدایا! یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں ،تیری نہیں

علامہ اقبال کی ابتدائی کچھ عرصہ کی شاعری کو چھوڑ کر پوری شاعری کی پہچان ہی حمد ذات باری ہے۔ اقبال ''مرکزیتِ الٰہ'' کے شاعر ہیں۔ وہ جہاں اور جس چیز کو دیکھتے ہیں، اپنی فکر کے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اپنی شعری فکر میں الگ پہچان رکھتے ہیں اور اس پہچان پر اسلام کا رنگ اتنا غالب ہے کہ علامہ اقبال کو مسلمانوں کا شاعر کہا جاتا ہے جب کہ اصل یہ ہے کہ توحید کا پیغام صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بل کہ تمام انسانوں کے لیے ہے۔

اب اگر توحید کا پیغام اور پیامبرِ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کافتہ اللناس (تمام انسانوں کے لیے) ہے تو پھر اس میں آفاقیت ہے اور یہ آفاقیت علامہ اقبال کی شاعری میں واضح انداز میں موجود ہے۔ یاد رکھیے آفاقیت، مقامیت کے بغیر ممکن نہیں۔ محض انسانیت کوئی چیز نہیں۔ اگر آپ امریکہ کے ایئرپورٹ پر اترتے وقت اپنا تعارف ''میں انسان ہوں'' سے کروائیں تو لوگ تعجب سے دیکھیں گے بل کہ انسان تو امریکہ جا ہی نہیں سکتا۔ جی! میں پاکستانی ہوں، یہ آپ کی پہچان ہے جو آپ کو پاسپورٹ فراہم کرتی ہے۔ پھر مسلمانی کی توسیع ہے، جس میں امریکی، برطانوی، ایرانی، یونانی، کوئی بھی شامل ہوسکتا ہے۔ اقبال اسی توسیع فکر کا شاعر ہے۔ اس کے پاس توحید کا پیغام ہے:

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے ، سارا جہاں ہمارا

بہرحال ہمیں اقبال کی حمدیہ شاعری کے تعین کے لیے نئے اصول وضع کرنے پڑیں گے۔

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ دبر پیدا
سفر خاکی شبستاں سے نہ کرسکتا اگر دانہ
نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا الا
پیامِ موت ہے جب لا ہوا لا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو! ہوا لب ریز اس ملت کا پیمانہ

اقبال کی شاعری کا بنیادی پیغام ''خودی'' (خود آگاہی، عرفانِ نفس) ہے۔ خودی کا راز اور بھید لا الہ الا اللہ میں ہے:

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خود ہے تیغِ فساں لا الہ الا اللہ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

یہ مال و دولتِ دنیا ، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لاالہ الا اللہ

اقبال چودہ سو سالہ اجتماعی مسلم فکر کے پس منظر کو لیے ہوئے اپنے تخلیقی وجود کا اثبات کرتے ہیں۔

میں کہ میری غزل میں ہے، آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت ،کھوئے ہوؤں کی جستجو

ہمارا عہد حمد کو فلسفیانہ اور سائنسی سطح پر قابلِ قبول بناتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ عہدِ سرسید میں بل کہ فکرِ یونانی سے ۱۹۱۳ء تک، فلسفہ اور سائنس، مادہ کی اولیت پر تقریباً قطعی اور حتمی انداز میں قائم تھے۔ نیوٹن کی تھیوری نے حسی موجود کو حقیقت کے مترادف قرار دے کر غیر مادی موجود کے لیے جگہ نہیں چھوڑی چناں چہ اس عہد کے شعرا میں اکبرالہٰ آبادی، ذاتِ باری تعالیٰ پر تشکیک کے رجحانات کی نمائندگی کرتے اور دلائل سے اسے رد کرتے نظر آتے ہیں:

ستاروں کو ہی یہ ڈھونڈا کیے ہیں دور بینوں سے
خدا کی جستجو کرتے جو چشمِ دور بیں ہوتی
سمجھا ہے تُو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لاالہ کا
گو اپنے ساتھ آپ کا ہرانہ لے گیا
اکبؔر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا
تمھاری بحثوں سے میرے شبے خدا کی ہستی پہ کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آ گئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے
کعبہ سے بت نکال دیے تھے رسولؐ نے
اللہ کو نکال رہیں دلوں سے ہم

اکبرالہٰ آبادی، سرکشن پرشاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''دنیا میں تمام خرابیوں کی جڑ شرک ہے۔ اسی نے غیر خدا کو
خدا بنا کر انسانوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ مسئلہ توحید پر زور دیتے رہنا عمدہ
ترین شغلِ زندگانی ہے، میری غزل کا ایک شعر ہے:

شرک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا
میری کوئی سوسائٹی ہی نہیں ''

تشکیک کے اس رجحان کو ردرفورڈ نے ایٹم توڑ کر اور پھر آئن سٹائن نے ختم کر دیا۔ مادہ، توانائی میں بدل گیا اور توانائی غیر مادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غیر مادی ہونے کے تصور کو سائنسی سطح پر رد کرنا بھی ناممکن ہو گیا بل کہ مادہ امکان کی لہر (Wave of Probality) بن گیا لہٰذا ہمارا عہد روحانی وجود کے اثبات پر قائم یا کم از کم اسے فلسفیانہ اور سائنسی حوالے سے اس طرح رد کرنا ممکن نہیں جو ایٹم کے انقسام سے قبل تھا۔ یہی تعریف وستائش ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو اولیت میں قبول کرتی ہے۔

آخر میں ایک ضروری بات کہ حمد، توحید کے اقرار کے بغیر (نعت رسالت کے اقرار کے بغیر) سر سے حمد بنتی ہی نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے عزیز توحید کا اقرار ہے، چناں چہ قرآن عزیز میں ایک ہی گناہ کے بارے میں دو بار فرمایا کہ میں شرک کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ باقی جو گناہ، سزا دے کر یا بغیر سزا کے معاف کر دوں گا۔۔۔ان شاءاللہ

اس مضمون کی اساس یہ طرزِ فکر ہے کہ مسلمان ایک نظریاتی وجود ہے۔ ایک مسلمان تخلیقی عمل میں بھی نظریاتی وجود ہی رہتا ہے۔ وہ بے نظریہ وجود نہیں بن جاتا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان شعرا کسی بھی صنف میں شعر کہہ رہے ہوں، وہ حمد الٰہی کے اشعار کہہ جاتے ہیں اور یہی ہماری شاعری کی پہچان ہے کہ وہ نظریاتی وجود کا اثبات ہر صنفِ ادب و شاعری میں کرتی ہے لہٰذا حمدیہ شاعری صرف وہ نہیں جو ایک صنفِ شعر کے طور پر متعارف ہے، بل کہ مسلمان شاعر کا تخلیقی عمل، تخلیقِ ربانی کے نظریہ پر یقین و ایمان کی وجہ سے حمدیہ ہے۔ الا ماشاءاللہ۔

[۱] بلاشبہ اللہ تعالیٰ کن (ہو یا) فرماتے ہیں تو فیکون (ہو جاتا ہے) مگر تخلیقِ کائنات ایک ارتقائی عمل ہے جو چھے ایام میں مکمل کیا گیا اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دن ایک ہزار سال اور پچاس ہزار سال تک ہے۔

تُو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

[محبوب ظفر صاحب کے حمدیہ انتخاب کا افتتاحیہ]

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

[۱]

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ پروردگارِ عالم نے اسے محض یہ فضیلت ہی نہیں بخشی بلکہ اپنی نیابت اور خلافت کے منصب سے بھی مشرف فرمایا۔ سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت اس کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی۔ سو، زمین پر اپنا سفر آغاز کرتے ہی اُس نے اپنے اردگرد پھیلے ہوئے مظاہر کو حیرت سے دیکھا اور ان کی معنویت، ان کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق پر وہ غور و فکر کرنے لگا۔ اپنے اور ان مظاہر کے خالق کو جاننے کی کرید بھی اس کے باطن میں کروٹیں لینے لگی۔ اپنے اعمال و افعال سے اُس نے یہ جان لیا تھا کہ اس کے اردگرد جاری و ساری تمام عوامل کسی کے حکم و اشارے پر ہو رہے ہیں۔ مگر وہ کون ہے؟ انسان کے فہم و ادراک کی دُنیا محدود اور عقل و شعور کا میدان مختصر تھا، سو اُس پر دائیں بائیں پھیلے ان گنت آثار کے خالق کا بھید نہ کھل سکا۔ ڈور مزید اُلجھتی گئی اور اُس کا جہانِ خیال نئے سوالوں کی زد میں آتا گیا۔ اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ ہواؤں کو چلانے والا، سورج کو چمکانے والا، رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرنے والا، تاروں سے آسمان سجانے والا، خاک سے سبزۂ زمردیں کو نکالنے والا، دریاؤں اور ندیوں کو رواں رکھنے والا، گھٹاؤں کو برسانے والا، رنگ رنگ کے پھول اور پھل پیدا کرنے والا کون ہے؟ جو اس کی چشمِ ظاہر سے پوشیدہ ہے مگر چار اطراف میں پھیلے ہوئے اس کے مظاہر چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر اُس کے ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ انسان حیرت سرائے دہر میں اس کی تلاش کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ اُس نادیدہ ہستی کو کھوجنے اور اس کو پا لینے کی خواہش نے اُسے کہیں دم نہیں لینے دیا۔ وہ جنگل جنگل گھوما، وادی وادی اُس نے دیکھ ڈالی _____ قریہ قریہ اُسے ڈھونڈا، بستی بستی اس کو تلاش کیا مگر وہ چشمِ ظاہر سے مستور رہا۔ حدودِ خیال سے کہیں پرے اور جہانِ ادراک سے کہیں آگے۔ منظرِ امکان سے ماورا اور ورا الوریٰ سے بلند تر۔ اس کا غیاب انسانوں کے ذوقِ جستجو کو مہمیز کرتا رہا اور اس کے اسرار کی شہودیت انسانوں کے جذب و احساس کی دُنیا سے آنکھ مچولی کرتی

رہی۔انسان کا ذاتِ حق کی تلاش وجستجو کا یہ سفر اور اس کے باطن کی یہ بے قراری اس کے لیے سعادت کے در وا کرنے میں کامگار ہوئی۔ انسانی طبقے کے چنیدہ افراد منصبِ پیغمبری پر فائز ہوئے۔معرفت کا قدم آگے بڑھا۔آسمانی صحائف اور وحی کے طلسماتی دائرے نے نیا رنگ جمایا۔ کردگارِ عالم کے ہمہ جہت اور ہمہ رنگ مظاہر نے اس کی قدرتِ کاملہ کے جہانِ ناپیدا کنار کی خبر دی تو عقل وادراک کی برّاقی دم بہ خود اور حیرانی کا نقش بن کر رہ گئی۔انسان کی روح کی پکار، اس کی فطرت کا تقاضا اور اس کے ذوق وشوق کی تمنّا تلاشِ حق کے لیے نئے نئے راستے تراشنے لگی۔ ہر راستہ حیرت تک پہنچتا اور پھر _____ ایک خلائے بسیط، ایک جہانِ نادیدہ، جسے عقل وادراک کے شہپر پاٹنے سے عاجز وقاصر رہتے۔انسانی روح کی بے قراری پھر سے ایک نئے جادے کی زیب وزینت میں مصروف ہو جاتی اور ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ایک نئی حیرانی اس کا مقدر بنتی۔انسانوں نے آسمانی ہدایت اور وجدانی مکاشفے کے زیرِ اثر عبادت گاہیں تعمیر کیں، معبد بنائے، حرم سجائے، مسجدیں، گرجے، مندر، محرابیں اور گوردوارے بنا ڈالے۔ بے صورت کی صورت دیکھنے کی خواہش میں ذکر، فکر، دعائیں، مناجاتیں، تلاوت، تسبیح، مراقبہ، سجدہ، قیام، رکوع، شب بیداری، حج، یاترا، آہ وزاری، صوم، صلات، ذکرِ خفی، ذکرِ جلی، تپسیا، ریاضت، مجاہدے، جوگ، استخارے، پرستش، ورد، وظیفے، چلّے _____ کیا کیا جتن کیے مگر:

تیری کھوج وچ عقل دے کھنب جھڑ گئے، تیری بھال وچ تھوتھا خیال ہوئیا
لکھاں انگلاں گنجھلاں کھول تھکیاں، تیری زلف دا سدھا نہ وال ہوئیا

[۲]

اشیا جب اسما سے محروم اور الفاظ جب معنوں سے نا آشنا تھے، اُس وقت بھی انسان اپنے خدا سے ہم کلام تھا؛ عبد اپنے معبود سے راز ونیاز میں مصروف تھا؛ مخلوق اپنے خالق کی صفت وثنا میں منہمک تھی۔غاروں اور جنگلوں کا سفر ختم ہوا، شہروں اور بستیوں کی بنیاد پڑی۔گونگے اشارے بامعنی لفظوں کے قالب میں ڈھل گئے؛ زبانیں وجود میں آ گئیں۔اسلوبِ ثنا بدلنے لگے؛ آدابِ گفتگو تبدیل ہوئے؛ خالق سے مکالمے کی نئی طرزیں وجود میں آئیں۔ بندگی کا یہ ہمہ رنگ اظہار حمد کہلایا۔ یہ حمد سرائی کسی زمینی ضرورت ومقصد کے تحت وجود میں نہیں آئی بل کہ انسانی روح کا تقاضا اس کی تشکیل وتعمیر اور ترویج واشاعت کا باعث بنا۔انسان کے اردگرد پھیلے قدرت کے مظاہر اگرچہ خالق کی تعریف وثنا پر مجبور کرتے تھے مگر اصل محرک فطرتِ انسانی تھی جو اسے اپنی

اصل کے تذکار پر مسلسل اُکسا رہی تھی۔عبد اور معبود کا رشتہ جس وقت آغاز ہوا،حمد سرائی بھی اُسی وقت معرضِ اظہار میں آئی۔جیسے جیسے انسان پر منظرِ امکان منکشف ہوتا گیا،حمد سرائی کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا رہا۔حمد سرائی کے ظاہری قالب بدلتے رہے، پیکر میں تبدیلی آتی رہی، ہیئت اور شکل ارتقائی مرحلوں سے گذرتے رہے،انداز واطوار تغیر آشنا رہے مگر اس کا موضوع اور اس کا متنی لوازمہ وہی رہا۔انسانی تاریخ پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی حمد سرائی کہیں اس کے ایمان اور عقیدے کی ترجمانی کرتی ہے کہیں اس کے عجز و نیاز کی؛ کہیں وہ اس کی قلبی آرزوؤں کی نقیب ہے تو کہیں خالق کے ساتھ اس کے عشق ومحبت کی۔گویا حمد سرائی انسان کے صدق وایقان کی کہانی اور اس کے جذب وشوق کی داستان بھی ہے اور اس کے روحانی سفر کی روداد بھی۔کردگارِ عالم کی ہمہ رنگ مگر بے شکل وصورت ہستی کو انسان اپنی فطری خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر رنگ رنگ کی صورتوں میں پیش کرنے کا جتن کرتا رہا مگر ناکام رہا۔اس کی یہ ناکامی اس کے شوقِ سفر اور ذوقِ جستجو کو مہمیز کرتی رہی۔خالق کی ہمہ رنگی کی طرح اس کی صفت وثنا اور تعریف وتوصیف کے پیمانے بھی ہمہ رنگی کے وصف سے متصف ہیں۔دُنیا کے مختلف علاقوں اور زبانوں میں حمد گوئی اور مناجات سرائی کے انداز، معیار، قالب اور اسلوب جدا جدا ہیں۔یہ تنوع اور رنگا رنگی اس موضوع کے بے حد وحساب پھیلاؤ کے باعث ظہور میں آئی ہے۔جس طرح ہر انسان اپنی شکل وصورت، عادات واطوار اور ذوق ومزاج میں دوسرے انسانوں سے مختلف ہے اسی طرح ہر انسان کا تصورِ الٰہ بھی دوسرے انسانوں سے یک سر جدا ہے۔انسان اپنے خیالات، احساسات، واردات، اعمال وافعال اور اپنے تجربات ومشاہدات سے اپنے خالق اور اپنے معبود کا تصور وضع کرتا ہے اور اس کی حمد سرائی میں یہی تصورِ الٰہ بنیادی توانائی کی حیثیت سے شامل ہو کر اس کے انفرادی نقوش کو منشعب کرتا ہے:

ترا خدا ہے اگر عرش پر تو تُو جانے
مرا خدا مرے مٹی کے گھر میں رہتا ہے

[۳]

اُردو دُنیا کی خوش قسمت ترین زبانوں میں شامل ہے کہ اس کی تعمیر وتشکیل اور فروغ وارتقا کے جملہ مراحل اور مدارج پر اہل اللہ اور صوفیائے کرام سایہ فگن ہیں۔یہ کیسے ممکن تھا کہ دُنیا بھر کی زبانوں اور بولیوں میں جو عنوان لَو دیتا تھا، اُردو اس سے محروم رہتی۔حمد سرائی اور حمد گوئی اُردو

کے تشکیلی مراحل میں ہی اس کے وجود کا حصّہ بن گئی۔ اُردو کے قدیم ترین معلوم تحریری سرمائے میں حمد و مناجات کا رنگ اس قدر گہرا ہے کہ باقی تمام رنگ اس میں گم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ فارسی اور عربی کے گہرے علمی و ادبی اثرات سے پہلے کا منظر نامہ جو ہندوستان کی مقامی زبانوں اور بولیوں کے استفادے سے خلق ہوا، وہ بھی حمد و مناجات سے معمور دکھائی دیتا ہے۔ قدیم مقامی اصناف جیسے: پد، شلوک، بھجن، دوہرا، سورٹھ اور جکری کے قالب صوفیائے کرام کے تصورِ الٰہ کی روشنی سے جگمگ جگمگ کرتے نظر آتے ہیں۔ بعد میں فارسی کی کشادہ دامانی سے ریزہ چینی کے نتیجے میں مثنوی، قصیدہ، رباعی، غزل اور دیگر اصناف اور ہیئتیں اُردو کا حصّہ بنیں تو توحید کے الٰہیاتی اور روحانی موضوعات کثرت سے شعر و ادب میں اظہار کرنے لگے۔ جنوبی ہند میں اُردو کی ادبی روایت میں حمد و مناجات کی رنگا رنگی دوسرے عنوانات و موضوعات پر غالب آئی اور زبان کا مزاج بن گئی۔ مسلمانوں کا ہر کام چوں کہ پرودگارِ عالم کے پاک و منزہ نام سے آغاز ہوتا ہے، اس لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کے جذب و احساس کی دُنیا اس نام کی برکت سے محروم رہتی؟ ہر تخلیق کا نقطۂ آغاز حمد و مناجات ٹھہری۔ عشق و محبت کی کہانی لکھی گئی تو اس کا آغاز بھی حمد و مناجات سے ہوا، جذب و شوق کا قصّہ خلق ہوا تو اس کی ابتدا میں بھی حمد کے رنگ جلوہ ساماں تھے۔ غرض ہر تخلیق کا سرِ آغاز حمد سے روشن ہوا۔ ہر قالب اور ہر پیکر میں حمد کی جلوہ گری ہوئی؛ یوں اُردو زبان کے صدیوں کے سفر میں حمد و مناجات برابر اس کے ادب پر سایہ فگن رہی۔ حمد و مناجات میں ہیئتوں کا تنوع اور پیکروں کی رنگا رنگی اس کی صنفی شناخت میں مزاحم رہی۔ مؤرخینِ ادب نے اُردو ادب میں حمد و مناجات کی مضبوط و مستحکم روایت کی جھلکیاں اپنی کتابوں میں عکس بند کی ہیں اور قدیم ادبی نگارشات کی اشاعت سے بھی یہ عنوان چمکا ہے مگر اس کے باوجود الگ صنفی حیثیت سے حمد گوئی مطالعے کا موضوع نہ بن سکی۔ بیسویں صدی میں وصفیہ اور مدحیہ شاعری کے زیرِ عنوان حمد نگاری بھی زیرِ مطالعہ آئی اور قیامِ پاکستان کے بعد نعت گوئی کے ساتھ حمد گوئی بھی نقد و نظر اور تحقیق و تلاش کا سرنامہ بنی۔ حمد ویسے تو ہر شعری تصنیف کے آغاز میں جلوہ گر رہی ہے اور اُردو ادب کی تاریخ میں حمد کی اس جلوہ گری کی ایک مضبوط و مستحکم روایت موجود ہے تاہم حمد و مناجات کے الگ اور مکمل مجموعے یا دیوان جمع کرنے کا چلن زیادہ پرانا نہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ حمدیہ مجموعوں کی جمع آوری کا خیال اگرچہ تاخیر سے صورت پذیر ہوا تاہم بہت تھوڑے عرصے میں سیکڑوں مجموعے اس عنوان کے تحت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر بازارِ ادب کی تابانی کا باعث ہوئے۔ رسائل و جرائد روشن خیالی

کی جھونجھ میں ایک زمانے تک تو حمد ونعت کی اشاعت سے گریزاں رہے مگر رفتہ رفتہ یہی سرمایۂ تخلیق وجۂ افتخار واعزاز ہوا اور دوسری مدحیہ اصناف کے ساتھ حمد ونعت کی اشاعت اور ان اصناف کے حوالے سے مضامینِ نقد ونظر کی اشاعت میں رسائل وجرائد نے خصوصی حصّہ ڈالا۔ پچھلی چند دہائیوں سے جامعات میں تحقیق کا سفر آغاز ہوا تو من جملہ دوسری اصناف کے حمد ونعت کا سرمایہ بھی تحقیقی مقالات کا موضوع ٹھہرا۔ کئی ایک رسائل نے شان دار اور گراں قیمت حمد نمبر شائع کر کے اس صنفِ درخشاں سے ادبی فضا کو منور کرنے کا جتن کیا۔ سنجیدہ تنقید نگار اور اہلِ قلم جو حمد کی صنفی حیثیت سے آنکھ چراتے تھے، اب اس سرمائے کی عظیم الشان شعری روایت سے اکتسابِ فیض کر کے اپنے دائرۂ انتقاد کو وسعت دے رہے ہیں۔ اس صنفِ دل پذیر کے ماضی وحال کی تصویر گری کا چلن اب عام ہو رہا ہے۔ حال ہی میں سید صبیح رحمانی نے ''اُردو حمد کی شعری روایت'' کے عنوان سے مقالات کا ایک گراں قدر مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں حمد سرائی کے مختلف رنگ، اسالیب، آداب، ہیئت، تاریخ اور ارتقا زیرِ بحث آئے ہیں۔ یقیناً یہ مجموعۂ مقالات اس نوع کے مزید مجموعوں کی جمع آوری کا باعث اور محرک بنے گا اور اس کے نتیجے میں تنقید وتحقیق کے نئے آداب وانداز کے تحت حمد گوئی کے مطالعات کو فروغ ملے گا۔ اس صنفِ ہزار انداز کے سنجیدہ مطالعات اور حمد ومناجات کی عظیم الشان شعری روایت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ابھی باقی ہے۔ حمد ومناجات کا وہ سرمایہ جو ہنوز مخطوطات کی صورت میں دُنیا بھر کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہے، کی ترتیب وتہذیب اور اشاعت کا کام جب تک سامنے نہیں آتا اُردو حمد گوئی کی روایت مکمل نہیں ہوگی۔ قدیم وجدید سرمایۂ حمد کی چھان پھٹک جب تک نہ ہوگی تب تک اس صنف کے اصول وضوابط اور آداب وانداز کی ترتیب وتدوین ممکن نہیں۔

[۴]

معروف شاعر اور ممتاز انتخاب کار جناب محبوب ظفر نے نیشنل بک فاؤنڈیشن کے لیے پچھلے چند برسوں میں غزل، نظم اور نعت کے شان دار اور وقیع انتخابات مرتب کیے ہیں جو نیشنل بُک فاؤنڈیشن نے اولاً الگ الگ ادبی کلینڈر کی صورت میں تزئین وآرائش کے ساتھ شائع کیے اور اب ان انتخابات کو کتابی صورت میں بھی پیش کر رہی ہے۔ ان انتخابات کی ترتیب وتہذیب اور جمع آوری میں مرتب کا اخلاص، اس کا ذوقِ شعری اور محنت وریاضت گندھی ہوئی تھی، اس لیے علمی وادبی حلقوں میں ان انتخابات کو قدر ومنزلت اور تحسین کی نظر سے دیکھا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان

انتخابات کی ہزاروں کا پیاں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں اور ان کی طلب باقی رہی۔اس قدر دانی اور داد و تحسین کی فضا نے جہاں مرتب کو سرشار کیا وہاں اُن میں یہ احساس بھی پیدا کیا کہ حمد جو سرنامۂ ہر تخلیق ہے اور جس کی ایک عظیم الشان روایت اُردو زبان کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، کا ایک وقیع انتخاب بھی ضروری ہے۔حمد کا زیرِ نظر جمیل وجلیل مرقع اسی احساس کا نتیجہ ہے۔

جنابِ محبوب ظفر نے صدیوں پر پھیلی ہوئی اُردو حمد ومناجات کی عظیم الشان روایت کے قلزمِ ناپیدا کنار کی غواصی کر کے یہ گوہر ہائے آب دار تلاش کیے ہیں۔حمد ومناجات کے پونے چار سو کے قریب خوب صورت اور شعری محاسن کے حامل نمونوں کی جمع آوری بلاشبہ مرتب کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو لائقِ داد اور سزاوارِ ستائش ہے۔انتخاب خالصتاً ذوقی اور وجدانی معاملہ ہے۔انتخاب کار اپنے مطالعے،مزاج،ذوق اور صلاحیت کے مطابق ایک معیار قائم کرتا ہے اور پھر اس معیار پر پورا اُترنے والا ادب پارہ اس کے دائرۂ انتخاب میں شامل ہوتا ہے۔زیرِ نظر حمدیہ انتخاب بھی ایسے ہی معیار کا حاصل ہے۔انتخاب کار کی تنقیدی بصیرت اور شعری ذوق نے اُردو کی حمدیہ روایت کا رس پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ممکن ہے کہ اس حمدیہ انتخاب میں کچھ عمدہ نمونے شامل ہونے سے رہ گئے ہوں؛جن کا اس انتخاب میں شامل ہونا ضروری تھا اور کچھ ایسے نمونے شامل ہو گئے ہوں جنھیں اعلیٰ ادبی نمونوں کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا؛اس طرح کی صورتِ حال سے کوئی انتخاب کار بچ نہیں سکتا؛تاہم اس طرح کا جزوی اضطراب کسی انتخاب کی مجموعی قدر و قیمت کو متاثر نہیں کرتا۔

یہ حمدیہ انتخاب رنگا رنگ اسالیبِ اظہار کا عمدہ گل دستہ ہے۔انتخاب کار نے اُردو کی پوری حمدیہ روایت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ گل دستہ تیار کیا ہے۔یوں اس انتخاب میں بہ یک وقت متقدمین،متوسطین اور جدید حمد نگاروں کا سرمایۂ فکر وخیال موجود ہے،جس کے باعث اُردو میں حمدیہ شعری روایت کے ارتقائی سفر کو ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔زبان کا عہد بہ عہد بدلتا ہوا رنگ،اسالیبِ بیان واظہار کا تنوع اور موضوعات کی رنگا رنگی جیسے کئی پہلو اس مجموعۂ انتخاب میں یک جا ہو گئے ہیں جو اس صنف کے حوالے سے آئندہ ہونے والے ہر تنقیدی اور تحقیقی کام میں بلاشبہ معاون ہوں گے۔

اُردو میں حمد کے لیے کوئی ایک ہیئت یا سانچا مختص نہیں۔حمد ومناجات کا قدیم سرمایہ زیادہ تر مثنوی،مسدس اور رباعی کی صورت میں موجود ہے،جدید دور میں حمد ومناجات کے لیے

عام طور پر غزل یا قصیدے کی ہیئت اختیار کی گئی ہے۔ زیرِ نظر حمدیہ انتخاب میں ان سب پیکروں اور ہیئتوں کے نمونے شامل کیے گئے ہیں، جن کی مدد سے حمد کا صنفی مزاج متعین کرنے میں یقیناً مدد ملے گی اور نئے لکھنے والوں کے لیے حمد کا مؤثر سانچا انتخاب کرنے میں آسانی ہوگی۔

حمد و مناجات کی شعری روایت بلاشبہ ہمارے ادبیات کا قابلِ افتخار اور بابرکت سرمایہ ہے۔ اس سے ہمارے ادب کا تشخص اور انفرادی رنگ متشکل ہوتا ہے۔ اس صدیوں پر پھیلے ہوئے شعری سرمائے کے خوش رنگ انتخاب کی سعادت و عزت جنابِ محبوب ظفر کے حصّے میں آئی ہے۔ ان کا یہ حمدیہ انتخاب بلاشبہ ایک عظیم کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے جس محبت، محنت، لگن، ذوق و شوق اور بصیرت سے یہ انتخاب مرتب کیا ہے، اس پر وہ بجا طور پر لائقِ ستائش اور قابلِ داد ہیں۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ ان کے سابقہ انتخابات کی طرح اس انتخاب کو بھی اہلِ علم و ادب اور اربابِ ذوق و شوق کے حلقوں میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اُردو ادب کے طلبہ اور قارئین اس گنجینۂ بیش بہا سے مدتوں استفادہ کرتے رہیں گے۔ ان شاءاللہ

حمد کا مفہوم اور اردو میں حمد گوئی کی روایت

ڈاکٹر افضالہ شاہین

حمد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تعریف کے ہیں۔مختلف لغات میں حمد کے معانی تعریف و ستائش اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف کے لکھے گئے ہیں۔قرآن مجید کا عربی اردو لغت (۱)اور قائد اللغات طبع دوم کے مطابق حَمد بمعنی تعریف،خوبی اور اللہ تعالیٰ کی ثنا کے ہیں۔ (۲) فرہنگ آصفیہ(۳)،علمی اردو لغت (۴)اور نوراللغات میں حمد کے معنی خدا کی تعریف کے ہیں۔(۵)

'المنجد' میں حمد،بمعنی حَـمِـدَ ، حَـمْدًا و مَحْمَدًا و مَحْمِدَ
و مَـحْـمَـدَةَ و مَحْمِدَةُ حَمَدَ : حَمِدَهُ، شكرهُ ،
يقال و حَمَدتُ اِلَيكَ الله ۔(۶)

صراح،فراح میں حمد بمعنی ستائش وستودن کے لکھا ہے۔(۷)

اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں ''حمد'' کے مفاہیم کو لغوی معانی کے ساتھ اردو ادب کی تاریخ میں استعمال کی امثال کے ساتھ واضح کیا گیا ہے:

ا۔(ا) خدا کی تعریف،ستائش، دایم روزہ دار سو خدا ہے،حمد
اوس کی صفت یگانہ ہور بے پرواہ ہے۔(۱۶۰۳،شرح تمہیدات
ہمدانی (ترجمہ)،(ق)،۱۵۴)

رہِ حمد میں تیری اے عز و جل تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

(۱۷۸۴،سحرالبیان،۱۷)

نہیں کوئی شریک اوس کا اوسی کے لیے سلطنت ہے اور اوسی کے لیے حمد ہے۔

(۱۷۸۳،مطلع العجائب (ترجمہ)،۹۴)

کیا حمد ہو خدا کی حد ہی نہیں ثنا کی (۱۹۷۱،صد رنگ،۱۶)

یوں تو لفظ 'حمد' کا معنی تعریف ہے۔لیکن اکثر لغات میں اس لفظ کو 'اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا' کے معنوں میں لکھا گیا ہے۔قرآنِ پاک کی پہلی سورہ فاتحہ مکمل طور پر سورہ کی شکل میں نازل ہوئی۔سورہ فاتحہ کا موضوع ہی حمدِ باری تعالیٰ ہے۔اس سورہ کی پہلی آیت کا پہلا کلمہ 'اَلْحَمْدُ

لِلّٰہ ' کا ذکر اکثر لغات اور تفاسیر میں مفصل طور پر ملتا ہے۔ مختلف مفسرین کے نزدیک 'اَلْ' کلمہء استغراق ہے، جس کے معنیٰ 'تمام'، 'ساری'، 'ہر وقت یا ہر زمانے میں، اور 'ہر طرح کی' کے ہیں۔ 'تفسیر ابنِ کثیر' کے مترجم مولانا محمد صاحب جونا گڑھی لکھتے ہیں:

> الحمدللہ میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام تر قسمیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے۔ تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ (۸)

اس کے بعد 'حمد' سے مراد تعریف ہے۔ لِلّٰہ میں آنے والا 'لِ' کلمہء اختصاص ہے۔ یعنی خصوصیت، خاص ہونا یا کسی خاص ہستی تک محدود ہو جانا وغیرہ۔ مراد یہ کہ سب تعریف صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس طرح ہر تعریف کا محور و مرکز صرف اللہ ہے، اور اس خاص تعریف کے لیے مدح یا ثنا کی بجائے لفظ حمد کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے لفظ حمد خاص اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف کے ضمن میں استعمال ہوگا۔ لفظ 'حمد' کے معنی میں بے حد عمق اور جامعیت ہے۔ مولانا ابوالکلام 'حمد' کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں ''عربی میں حمد کے معانی ثناءِ جمیل کے ہیں، یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے۔ اگر کسی کی بُری صفتیں بیان کی جائیں تو یہ حمد نہ ہوگی۔'' (۹)

تفسیر ابنِ کثیر میں 'حمد کی تفسیر اقوالِ سلف سے' کے عنوان سے یہ واقعہ رقم ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے اس طرح فرمایا کہ سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ اکبر کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ الحمد للہ کا کیا مطلب؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمالیا ہے۔ (۱۰)

قرآن پاک کی ۵ سورہ ایسی ہیں جن کا آغاز 'الحمد للہ' سے ہوا۔ ان میں سورۃ فاتحہ، سورۃ انعام، سورۃ کہف، سورۃ سبا اور سورۃ فاطر شامل ہیں۔ 'الحمدُ للہ' کے الفاظ قرآنِ پاک میں ۳۸ اڑتیس بار آئے ہیں۔ 'حمد' کا لفظ عربی میں لسانی اعتبار سے ایسی ذات کے لیے مستعمل ہے جو ہر اعتبار سے جامع صفات ہو، اختیاری صفات رکھتا ہو۔ یہ لفظ خوشامد اور جھوٹی تعریف کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ 'ضیاء القرآن' میں حمد کے مفہوم کو خوبی و کمال کے ظہور کو اختیار و ارادہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے:

> ہر خوبی و کمال جس کا ظہور اختیار و ارادہ سے ہو، اس کی ستائش و ثنا کو

عربی میں حمد کہتے ہیں، تو اس لفظ حمد نے اس حقیقت کو بے حجاب کر دیا
کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے متصف ہونا اضطراری اور غیر
اختیاری نہیں بلکہ اس کی اپنی مرضی اور ارادہ کی جلوہ نمائی ہے۔(۱۱)

حمد کے علاوہ تعریف وستائش کے لیے مدح یا ثنا اور شکر کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ کچھ علما کی تفاسیر میں مدح اور حمد کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی 'تفسیر کمالین، شرح اردو تفسیر جلالین' میں لکھتے ہیں:

حمد کہتے ہیں محمود کے اوصافِ جمیلہ اختیاریہ بیان کرنا۔۔۔اور مدح کہتے
ہیں ممدوح کے اوصافِ غیر اختیاریہ بیان کرنے کو۔۔۔نعمت کے بدلہ میں
ہو یا بلا نعمت کے مگر صرف زبانی اظہار ہونا چاہیے۔البتہ شکر صرف اظہارِ
نعمت پر ہوتا ہے زبان سے یا دل اور جوارح سے۔اس لیے زبانی اظہار
کے لحاظ سے حمد و مدح خاص ہیں۔اور صرف نعمت کے اعتبار سے شکر خاص
ہے گویا ان میں عموم خصوص کی نسبت حاصل ہوئی۔(۱۲)

مفتی احمد یار خان نعیمی تفسیرِ نعیمی میں ان الفاظ کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

حمد کے معنی ہیں کسی کی اختیاری خوبی بیان کرنا خواہ وہ کوئی نعمت دے یا نہ
دے۔شکر کے معنی ہیں کسی کی اختیاری خوبی ظاہر کرنا۔اس لیے کہ اس نے
ہم کو کچھ دیا ہے۔اور مدح کسی کی خوبی بیان کرنا خواہ اختیاری ہو یا غیر
اختیاری۔(۱۳)

یعنی حمد سے مراد کسی کے ایسے اوصاف بیان کرنا، جو تعریف اور اچھائی کے ضمن میں آتے ہوں، اختیاری ہوں۔یعنی وہ دے یا نہ دے لیکن اس کا پورا اختیار اسی کے پاس ہو۔مدح ایسی خوبی کا بیان کرنا جس کا اختیار ممدوح رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، اور وہ مدح کرنے والے کو نواز چکا ہو یا کسی نعمت سے نوازنے کی امید ہو یا نہ ہو۔شکر اظہارِ نعمت کرنا ہے۔یعنی کسی کے احسان کے جواب میں اس کی تعریف بیان کرنا۔اس طرح شکر کو بھی حمد میں داخل سمجھا جائے گا لہذا ہر شکر حمد ہے لیکن ہر حمد کو شکر نہیں کہہ سکتے۔اسی طرح ہر حمد مدح ہو سکتی ہے لیکن ہر مدح حمد نہیں ہو سکتی۔شکر الفاظ اور دل دونوں سے کیا جا سکتا ہے جب کہ حمد اور مدح زبان ہی سے کی جا سکتی ہے۔حمد کی ضد 'ذم' ہے اور شکر کی ضد 'کفر' ہے اور شکر کے معنی کسی کے احسان کو تسلیم کرتے ہوئے کلماتِ سپاس ادا کرنا یا

اعضا کے ذریعے تشکر کا اظہار کرنا۔ کفر کے معنی انکار کرنا ہیں۔ تیسیر القرآن میں مولانا عبدالرحمٰن کیانی نے مختصر الفاظ میں لکھا ہے کہ ''حمد کا تعلق قابلِ تعریف کارناموں سے ہے اور شکر کا تعلق ان خاص انعامات سے ہوتا ہے جو کسی خاص ذات سے متعلق ہوں۔'' (۱۴)

دیگر توصیفی الفاظ مثلاً 'مدح'، 'ثنا' وغیرہ لفظ 'حمد' جیسی وسعت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ محمود کی اختیاری خوبیوں کے ساتھ اوصاف اور شکرانے کا بیان حمد ہے۔ لفظ 'محمود' حمد کے مفعول کے معانی میں مستعمل ہے جس کے معنی ہیں کسی کی تعریف کا بیان جب کوئی تعریف کرنے والا تعریف کرے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسم 'حمید' بھی لفظ حمد کے مفعول کے معنوں میں ہے۔ 'حمید' کا معانی ہے وہ جو ہر وقت ہر طرح کی تعریف کے لائق ہو، حمد کرنے والا حمد کرے یا نہیں۔ مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر زمانے میں، ہر قسم کی صفات کی بدولت لائقِ حمد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ. (لقمٰن:۲۶)

ترجمہ: یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے اور ہر تعریف کے لائق۔ (۱۵)

تخلیقِ آدمؑ سے قبل بھی فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کرتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے اپنی تخلیق کے بعد جو سب سے پہلا کلمہ زبان سے ادا کیا وہ علما و اکابرینِ دین کے مطابق 'الحمدُ للہ' تھا۔ تخلیقِ کائنات کے بعد سے اب تک اس کائنات کی ہر چیز رب عزو جل کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اللہ تعالیٰ کے چنیدہ لوگ ہی سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حمد و تسبیح کے زبانی بیان کی فضیلت بیان کی ہے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بیان میں اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں حمد کی اقسام کچھ اس طرح بتائی گئی ہیں: ''خدا کی تعریف تین طرح سے ہوسکتی ہے، زبان سے، اسے حمدِ قولی کہتے ہیں۔ اعضا سے، جیسے نماز روزہ، حج، اسے حمدِ فعلی کہتے ہیں، اور دل سے، اسے حمدِ حالی کہتے ہیں۔'' (۱۶)

قرآن پاک میں جا بجا حمد گوئی کے بارے میں آیات ملتی ہیں۔ فرشتوں کی حمد کہنے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ.

ترجمہ: جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے (اردگرد) حلقہ زن ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے

رب کی۔(۱۷) (المومن:۷)

اسی طرح کائنات کی دیگر اشیا کی حمد گوئی کا بیان اس طرح کیا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لَا کِنْ لَّا تَفْقَھُوْ نَ تَسْبِیْحَھُمْ

اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔(۱۸) (بنی اسرائیل:۴۴)

اپنے بندوں کو اس طرح تسبیح کا حکم دیتے ہیں:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ. (حجر، طٰہٰ، مومن، طور، فرقان)

سو آپ پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ۔(۱۹)

ان توضیحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ہر طرح کی حمد بہت بلند درجات رکھتی ہے لیکن ان سب میں مقدّم اور افضل زبان سے حمدِ باری تعالیٰ بیان کرنا یا حمد گوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور ربوبیت کو جان و دل سے تسلیم کرتے ہوئے زبان سے اقرار ہی ایمان کا پہلا مرحلہ بھی ہے اور تمام مخلوقات کی مقبول ترین عبادت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مناجات سنتِ الٰہی، سنتِ رسول ﷺ ہے، سنتِ انبیاء و مرسلینؑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم میں صفاتِ الٰہی مخفی ہیں۔ سارا قرآن پاک حمد و ثناءِ ربِ کائنات سے عبارت ہے۔ ارض و سما، جن و ملائک، شجر و حجر، شمس و قمر و مجمعِ نجوم یہاں تک کہ ذراتِ خاک ہر ہر لحظہ حمدِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حمد کے مقام اور حمد گوئی کے احکامات کو متعدد آیات میں واضح فرمایا ہے۔ جن میں سے چند کا ذکرِ خیر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(ق:۳۹)۔(الروم:۱۸)۔(تغابن:۱)۔(سورۃ الطّور: آیت ۴۸)۔(النصر:۳)

(الانعام:۱)۔(المومن:۵۵)۔(السبا:۱)۔(بنی اسرائیل:۴۴)۔ (القصص ۷۰)

کائنات کی ہر چیز ہر لحہ محوِ حمد و ثنا ہے۔ انسان کی عقلِ محدود جن کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور تخلیقِ آدمؑ سے قبل بھی اللہ کی وسیع و بسیط کائنات میں حمد و ثنا کا عمل ہر لحہ جاری و ساری

تھا۔ جب آدمؑ کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا تو فرشتوں کی یہ تاویل تھی کہ پہلے ہی ملائکہ اور دیگر مخلوقات ہر لحظہ حمد وثنائے خالقِ کائنات میں مشغول ہیں، پھر آدمؑ کو تخلیق کرنے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ سورۂ البقرہ میں تخلیقِ آدمؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o

(آیت ۳۰)

اور یاد کرو جب فرمایا تمھارے رب نے فرشتوں سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔ کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خون ریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۲۰)

اِن آیات سے مترشح ہوتا ہے کہ حمد ربِ جلیل کائنات کا عظیم ترین، قدیم ترین، وسیع ترین اور مقبول ترین موضوع ہے۔ متعدد آیات کریمہ سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں اگرچہ تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء خفی وجلی انداز سے حمدِ الٰہیہ میں مشغول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بارگاہِ ایزدی میں انسان کی حمد گوئی سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس لیے کہ تمام دیگر مخلوقات کی نسبت انسان کو بہت اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تمام انبیاءؑ کو مشکلات کی دلدل سے نکالنے والی حمد ومناجات بحضور خدائے بزرگ وبرتر تھی۔ انبیاء کی دعاؤں میں حمدیہ الفاظ دیکھئے:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی مناجاتی حمد: (الاعراف: ۲۳)

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی رحمٰن ورحیم سے دعا: (الانبیا: ۸۳)

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کے حمدیہ الفاظ: (الانبیا: ۸۷)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جامع حمدیہ تخاطب: (ابراہیم: ۳۹)

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ نے فرعون کے پاس جانے کے لیے کہا تو اس وقت کی مناجاتی حمد: (طٰہٰ: آیات ۲۵ تا ۳۵)

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کہ خاتمہ با الایمان ہو:

(یوسف:۱۰۱،۱۰۸)

۷۔حضرت لوط علیہ السلام کی دعا:(العنکبوت:۳۰)

۸۔حضرت شعیب علیہ السلام کی حمدیہ مناجات:(الاعراف:۸۹)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک محمدؐ اور احمدؐ کا لفظی و معنوی تعلق موجود ہے۔محمد ﷺ کے مقام اور مرتبے کو ذیل کی حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔۔۔حمد کا جھنڈا میرے پاس ہو گا۔''(مشکوٰۃ شریف)

امام راغب اصفہانی 'المفردات فی غریب القرآن میں لفظ 'حمد' کی وضاحت کرتے ہوئے بہترین حمد کرنے کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے مرتبہ کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

وَ قولہ عزَّ و جلَّ (وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَّاْتِیْ مِن بَعدِی اَسْمُہٗ اَحْمَدُ) فاَحمدُ اشارَۃ'' اِلی ا النبّی صل ا اللّٰہُ علیہ و سلم با سمِہ وَ فِعْلِہٖ تَنْبِیْھاً اَنَّہٗ کما وُ جِدَ اسْمُہٗ اَحْمَدُ بُو جَدُ و ھُوَ مَحمو د'' فی اخلاقِہٖ وَ اَحْوَالِہٖ و خَصَّ لَفْظَۃَ اَحْمَدَ فیما بَشَّر بہ عیسَی صلی ا اللّٰہُ علیہ و سلم تَنبیھاً اَنَّہٗ اَحْمَدُ منہ و مِنَ ا لذینَ قَبْلَہٗ. (۲۱)

اور اللہ کا قول ہے وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَاْتِی مِنْ بَعدِی اسمُہٗ اَحْمَد ۔ تو اس میں احمد سے اشارہ نبی ﷺ کے نام اور کام کی طرف ہے۔اس پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جیسے اس کا نام احمد ہے ویسے ہی اس کے اخلاق واحوال محمود ہوں گے۔اور لفظ احمد کو خاص کیا اس کلام میں جس کے ساتھ عیسیٰؑ نے بشارت دی اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ آپؐ اُن سے اور ان سے پہلے نبیوں سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔

حمدِ ربِ جلیل آپ ﷺ کی سنت ہے، نہ صرف آپؐ کی بلکہ تمام انبیا علیہم السّلام کی سنت ہے۔متعدد احادیث مبارکہ سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو حمدِ الٰہی کی فیوض و برکات سے آگاہ کرتے ہوئے حمد گوئی کی تعلیم دی۔درحقیقت تمام دعائیں حمد کی برکت سے ہی مستجاب ہوتی

ہیں۔ایک مسلمان حمد گوئی سے نہ صرف اپنے خالق کی عظمت کا اقرار کرتا ہے بلکہ سنتِ محمد ﷺ کی پیروی کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔گویا اطاعتِ الٰہی اور حبِ رسول ﷺ کے جذبے کے تحت کی گئی حمد اسے دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔کچھ احادیث مبارکہ ﷺ کا ذکر جن سے حمدِ الٰہی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

۱۔جابر ابن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بہترین ذکر لا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہنا اور بہترین دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا ہے۔'' (نسائی وابنِ ماجہ)

۲۔حضور ﷺ کی لختِ جگر اور حضرت علیؓ کی شریکِ حیات حضرت فاطمہؓ خود مشقت کرتی تھیں۔ایک دفعہ گھریلو کام کاج میں مدد کے لیے لونڈی یا غلام کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی فاطمہ !اللہ سے ڈرتی رہو۔فرائض کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے خود ہی کرتی رہو۔جب سونے کے لیے لیٹو تو سبحان اللہ اور الحمد اللہ تینتیس تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو۔یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔سیدہ فاطمہؓ نے عرض کی میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے راضی ہوں۔ (ابوداؤد)

۳۔حضورِ اقدسؐ کا ارشادِ پاک ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِہ (بخاری ومسلم)

۴۔جب کوئی بندہ اللہ کی نعمت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتا ہے تو اللہ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔(ابنِ ماجہ)

۵۔حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ جب کسی پسندیدہ چیز کو دیکھتے تو فرماتے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جن کے فضل سے تمام نیک کام انجام پاتے ہیں اور جب کسی ناگوار چیز کو دیکھتے تو فرماتے تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔(ابنِ ماجہ)

۶۔حضرت سمرہؓ بن جندب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بہترین کلام چار ہیں ۱۔سبحان اللہ ۲۔الحمد للہ ۳۔لَا اِلٰہ اِلا اللّٰہ ۴۔ اور اللّٰہ اکبر۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے ہاں پسندیدہ کلام چار ہیں۔

(۱) سبحان اللّٰہ (۲) الحمد للّٰہ (۳) لا الٰہ اِلا اللّٰہ (۴) اللّٰہ اکبر۔

ان میں سے جس سے بھی ابتدا کرو تمھارے لیے کوئی ضرر نہیں۔(مسلم)

۷۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ **لا اِلٰہَ الا وحدہ' لا شریک لہ' لہُ الملك و له الحمد وهو على كل شیءٍ قدیر** کہا اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے سو گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور اس کو اس دن شام تک شیطان سے پناہ رہتی ہے۔(متفق علیہ)

۸۔حضرت عبداللہؓ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حمد شکر کا سر ہے، جو اللہ کی حمد نہیں کرتا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔(مشکوٰۃ شریف)

۹۔ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزِ قیامت سب سے پہلے جنہیں جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ لوگ ہوں گے جو خوشی اور سختی کے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

منظوم حمد گوئی کی روایت بھی کافی قدیم ہے۔الہامی کتاب زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر عبرانی زبان میں منظوم شکل میں نازل کی گئی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو اتنا خوش الحان بنایا تھا کہ جب وہ کلامِ الٰہی کی تلاوت فرماتے تو چرند پرند اور شجر و حجر سب نہ صرف یکسُو ہو کر آپؑ کی تلاوت سنتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت میں آپؑ کے ہمنوا بن جاتے۔

خاتم و مقتدائے مرسلین، پیشوا و افضل الانبیاء، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک نام حامد ہے۔آپ کے اسما محمدؐ اور احمدؐ کا مادہ بھی 'حمد' ہے۔آپ ﷺ لواء الحمد کے حامل ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد گوئی کی جیسی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
فِى الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○

(بنی اسرائیل:۱۱۱)

اور آپ فرمایئے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار درماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔(۲۲)

آپ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآنِ مجید بھی فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیوں سے متصف ہے۔ یہ باقاعدہ طور پر منظوم تو نہیں لیکن تمام صفاتِ ظاہری و باطنی کا حامل ہے۔

عرب معاشرے میں شعر و شاعری کو خاص مقام حاصل تھا۔ لیکن جب قرآن کریم کا نزول ہوا تو مسلم اور غیر مسلم اس کی فصاحت و بلاغت پر ششدر رہ گئے، کفار کی شانِ نبوت ﷺ میں ہجو گوئی کے باعث آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نعت گوئی کی حوصلہ افزائی کی۔ احادیث متفرقہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کہو جبریلؑ تمہارے ساتھ ہیں رسول اللہ ﷺ حسانؓ کے لیے فرمایا کرتے تھے میری طرف سے ان کو جواب دوائے اللہ روح القدس کے ساتھ ان کی مدد فرما۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

> رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے، وہ اس پر کھڑے ہوتے اور رسول ﷺ کی طرف سے فخر کرتے یا رسول ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے۔ رسول ﷺ فرماتے جب تک حسانؓ میری طرف سے فخر یا مدافعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ نے قرآن کریم کی لفظی و معنوی خوبیوں پر غور و فکر کرنے کے باعث باقاعدہ طور پر منظوم حمد گوئی کا حکم نہ دیا تاہم شعر گوئی کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

> مومن شخص اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کفار کو شعر اس طرح مارتے ہو جس طرح تیر مارا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

تفسیر ابنِ کثیر میں بیان کیے گئے اس واقعہ کی نسبت یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ منظوم حمد گوئی کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اسودؓ بن سریع ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔ (۲۳)

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ نے شعر پڑھتے ہوئے جب یہ شعر پڑھا:

جَاءَتْ سَخِينَةُ كَي تُغَالِبَ رَبَّهَا
فَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

یہ قریشی اس خیال سے آئے تھے کہ غلبہ حاصل کرنے میں اپنے رب سے مقابلہ کریں گے، لیکن سب سے غلبے والی ہستی سے جو مقابلہ کرتا ہے وہ ضرور بالضرور مغلوب ہوکر رہتا ہے تو رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا، کعب! تمھارے اس شعر پر اللہ تعالیٰ نے تمھارا شکریہ ادا کیا۔ (۲۴)

اگرچہ آنحضرت ﷺ شاعر نہیں تھے، تاہم روایت میں آتا ہے کہ کچھ اوقات میں آپؐ نے بھی موزوں کلام کیا۔ صحیح مسلم میں براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ احزاب کے دن ہمارے ساتھ مٹی ڈھوتے تھے (جب خندق کھودی گئی مدینہ کے گرد) اور مٹی نے آپ ﷺ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپالیا تھا۔ آپ ﷺ یہ فرماتے تھے: واللّٰہ لو لا انتَ مااھتدینا. ولا تصدقن ولا صلینا. فانزلن سکینة علینا. اِن الاُولٰی قد بَغوا علینا. قالَ اِن الملا قد ابو علینا. اذا ارادوا فتنة ابینا

ترجمہ: قسم اللہ کی اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم راہ نہ پاتے اور نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ تو اتار اپنی رحمت کو ہم پر، ان لوگوں نے نہ مانا (یعنی مکہ والوں نے) نہ مانا ہمارا کہنا (یعنی ایمان نہ لائے) اور ایک روایت میں ہے اس جماعت نے نہ مانا ہمارا کہنا، جب وہ فساد کی بات کرنا چاہتے تھے، تو ہم نہیں شریک ہوئے ان کے۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ غزوہ خندق میں خندق کھودنے اور مٹی کا ندھوں پر ڈھونے والے صحابہ کرامؓ کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

اللّٰھم فا عیشَ اِنّا عیشُ الآخرہ فاغْفِر لِلاَنصارِ وَالمھاجِرَہ

اللہ انھیں ہے عیش مگر عیش آخرت کا اور بخش دے انصار اور مہاجرین کو۔ (مسلم)

نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد اُس وقت تک دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے اس لیے تاریخی کتب میں آپ ﷺ کے دادا، والدہ ماجدہ اور دیگر بزرگوں کے حمدیہ اشعار کی روایت موجود ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ خانوادۂ رسول میں سے بیشتر افراد اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم (سوائے چند ''حمد و نعت گو'' صحابہؓ کے) اگرچہ باقاعدہ شاعر نہیں تھے تاہم انھوں نے وقتاً فوقتاً منظوم حمد گوئی کی۔ روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کرنے لگیں تو بے ساختہ حمدیہ اشعار کہے۔ ان اشعار کا بیان سیرت النبی طبقات ابن سعد میں یوں کیا گیا ہے۔

اُعِیذُہ‘ بِا للہ ذِی الْجَلَال   مِن شرما مَرَّ عَلَی الْجبَالِ

حتیٰ اَرَاہ‘ حَامِلَ الْحَلَالِ   وَیَفْعَلُ الْعُرْفَ اِلَا الْمَوَالِ

وَغَیْرُ ھُمْ مِنْ حَشْوَۃِ الرِّجَالِ

ترجمہ: جسم پر جو شر گزرتے ہیں جو بدی و خرابی و خستگی لاحق ہوتی ہے، جو آفات و امراض پیش آتے ہیں ان سب سے میں اس بچے کو خدائے ذو الجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اور اس کے لیے خدا سے پناہ مانگتی ہوں۔ میں اس وقت تک اس کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں کہ اسے امرِ حلال کا حامل اور غلاموں کے ساتھ نیکی کرتے دیکھ لوں اور صرف غلاموں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ یہ بھی دیکھوں کہ ان کے علاوہ دوسرے ادنیٰ درجے کے لوگوں کے ساتھ بھی وہ نیکیاں کر رہا ہے۔ (۲۵)

طبقات ابن سعد کے مصنف محمد بن عمر الاسلمی سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

مجھے خبر دی گئی کہ اس دن (نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا سن کر) عبدالمطلبؓ نے یہ کہا تھا:

الحمد اللہ الذی اعطانی   ھذا الغلام الطیّب الا ردان

ہر طرح اور ہر قسم کی حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے مجھے یہ پاک دامن لڑکا عنایت فرمایا

قد ساد فی المھد علی الغِلمٰان

اعیذہ‘ باللہ ذی الارکاب

یہ وہ لڑکا ہے کہ گہوارہ ہی میں تمام لڑکوں پر سردار ہو گیا اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں اور اس کے لیے خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ (۲۶)

حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلبؓ نے خانہء کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے وقت ان اشعار میں حمدِ باری تعالیٰ بیان فرمائی:

فَبَوَّاءْنَا الْمَلِيْكُ بِذَكَ عِزَّ
وَعِنْدَ اللهِ يُلْتَمَسُ الثَّوَابُ

اس کام کے سبب سے خدا نے ہمیں عزت کا سزاوار بنا دیا۔ جزا وثواب کی طلب تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ (۲۷)

حضرت ابوطالبؓ کے ایک قصیدے میں حمدِ باری تعالیٰ کا اس طرح بیان کیا گیا:

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ
عَلَيْنَا بِسُوْءٍ اَوْ مُلْحٍ بِبَاطِلِ

میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں، ہر ایک شخص سے جو ہم پر برائی کے الزامات لگانے والا اور ناحق پر اصرار کرنے والا ہے۔ (۲۸)

عمِ رسول ﷺ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا حمدیہ شعر دیکھیے:

وَفِينَا جُنُوْدُ اللهِ حِيْنَ يُمِدُّنَا
هِمْ فِي مَقَامٍ ثُمَّ مُسْتَوضِحُ الذِّكرِ

ترجمہ: اور ہم میں اللہ کا شکر تھا۔ جب وہ وہاں کسی مقام میں ان کے مقابل ہماری مدد کرتا تھا تو لوگ اس کے بیان کی توضیح چاہتے تھے (ہم سے پوچھتے تھے کہ آخر وہ لوگ کون تھے)۔ (۲۹)

حضرت علیؓ بن ابوطالب کے حمدیہ اشعار دیوانِ حضرت علیؓ میں ملتے ہیں۔ نمونہء حمد:

يَا رَبِّ ثَبِّتْ قَدَمِي وَقَلْبِي
سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ حَسْبِيْ

ترجمہ: اے پاک پروردگار مجھ کو ثابت قدم رکھ اور میرے دل کو مضبوط۔ اے خدا تو پاک ہے اور تُو مجھ کو کافی ہے۔ (۳۰)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شاعری کی حدود کا تعین کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کے ذریعے جھوٹ بولنے والوں اور خصوصاً راہِ اسلام سے بھٹکنے والے شعراء کی سخت

الفاظ میں مذمت کی ہے۔قرآنِ مجید میں شعراء کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ o اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ o وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ o (الشعرا:۲۲۴ تا ۲۲۷)

اور جو شعرا ہیں ان کی پیروی حق سے بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا اور عنقریب جان لیں گے جنھوں نے ظلم وستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لَوٹ کر آ رہے ہیں۔(۳۱)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ ان شعرا کی مذمت کی گئی ہے جو گمراہوں کی پیروی کرنے والے یعنی گمراہ ہیں،لیکن جو شعراء صاحبِ ایمان،حق گو اور کافرانہ حربوں کے خلاف اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں،ان کے لیے بشارت دی گئی ہے۔

مسلمان صوفیائے کرامؒ کے کلام میں حمدیہ مضامین کثرت سے موجود ہیں۔چند صوفیائے کرام کے کلام میں نمونہء حمد دیکھیے:

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے کلام میں حمد:

چشم بکشائی کہ آفاق پُر ازنورِ خدا ست
خالی از نورِ خدا در ہمہ آفاق کجا ست

آنکھ کھول کہ کائنات نورِ الٰہی سے معمور ہے۔دنیا بھر میں نورِ الٰہی کے بغیر کون سی جگہ ہے؟(۳۲)

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ منا جاتی انداز میں حمدِ الٰہی بیان کرتے ہیں:

یا رب بکشا بر دلم از تو بہ درے
بے منتِ مخلوق رساں روزیء ما حضرے
در با قی ِ عمرم مرا چناں بگذار
کز من نہ رسد بہ ہیچ کس درد سرے

اے الہ العالمین مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔ مجھے لوگوں کے احسان کے بغیر رزق عطا کیجیے۔ مجھے باقی ماندہ عمر ایسی گزارنے کی توفیق عطا فرمایئے کہ میں کسی کو کوئی نقصان نہ دے سکوں۔(۳۳)

سیّد علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

مَنْ نَظَرَ اِلَی الخَلقِ ھَلَك
وَ مَنْ رَجَعَ اِلیٰ الحقِ مَلَك

جس نے مخلوق کی طرف نگاہ ڈالی وہ ہلاک ہوگیا اور جس نے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا وہ فرشتہ بن گیا۔(۳۴)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

نورِ نورش با ہمہ بودہ ظہور
ہر چہ بینی آواز کشت است نور

اسی کے نور کا پرتو سب پر ظاہر ہوا ہے۔ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اُسی کے پرتو سے روشن ہو رہا ہے۔(۳۵)

حضرت سچل سرمستؒ کے فارسی کلام میں حمد:

خود زمین و خود زمن حور و پری خود جان وتن
فی بغیرش ہیچ چیزی خود بود ارض و سما

زمیں بھی خود ہی ہے۔ آسماں بھی خود ہی۔ حُور بھی خود ہی، جاں بھی خود ہی ہے اور جسم بھی خود ہی، اس کے سِوائے کچھ بھی نہیں ہے، اوپر نیچے وہی ہے۔

لا تحرک ذرۃً الّا باذن ا للہ شنو
آشکا را تو نہء آں ہر چہ باشد

خود خدا ایک ذرہ بھی اللہ کے امر کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اس بات کو غور سے سُن، اے آشکار! وہ تُو نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے خود خدا ہی ہے۔(۳۶)

حمد گوئی کے تین بنیادی موضوعات ہیں:

ا۔مختلف اسماء الحسنٰی اور ذات وصفات الٰہیہ کا ذکر اور اس تناظر میں حمد وثنا

۲۔بندے کی خالقِ کل کے سامنے، عجز، بندگی اور عقیدت کا اظہار

۳۔مناجات اور دعائیں (صراطِ مستقیم پر چلنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے)

درج بالا موضوعات کی روشنی میں حمد گوئی کو تین بنیادی موضوعاتی اسالیب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔مدح وثنائی اسلوب (شانِ الوہیت)

۲۔بندگی، عقیدت اور شکر کا اسلوب (عجزِ بندگی)

۳۔مناجاتی اسلوب (استغاثہ وتضرع)

اب قرآنِ حکیم سے ماخوذ حمد کے ان بنیادی موضوعاتی اسالیب کا بالترتیب جائزہ لیا جاتا ہے:

ا۔مدح وثنائی اسلوب:

مدح وثنائی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء تین جہتوں سے ممکن ہو سکتی ہے:

(ا)۔ذاتِ الٰہی (۲)۔صفاتِ الٰہی (۳)۔حسنِ کائنات

ذاتِ الٰہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتوں، صناعیوں اور توحید کا بیان کیا جاتا ہے۔ صفاتِ الٰہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی لامتناہی صفات کا بیان کیا جاتا ہے۔اس میں اسماء الحسنٰی کے حوالے سے بھی حمد گوئی کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء بہت جامع اور حسین ہیں۔ان اسماء کا ذکر اور ان کی صفات کا بیان قرآنِ پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے:

(سورہ الحشر ۲۲ تا ۲۴)۔(طٰہٰ :۸)۔الاعراف:۱۸۰)

حسنِ کائنات میں جہاں بھی جزوی طور پر حسن کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ادراک وشعور اور وجدان حسنِ کل کی مدح سرائی کی تحریک دیتے ہیں یعنی کائناتی حسن بھی حمد گوئی کا اہم محرک ہوتا ہے:

سبزہ وگل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

(غالب)

کون لایا کھینچ کے پچھم سے بادِ سازگار؟
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

(اقبال)

جیسے سوالات عقلِ سلیم کو اللہ جل جلالہٗ کی حمد سرائی کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔ اجزائے کائنات کے حسن کا بیان درحقیقت خالقِ کائنات کی مشاقی کی مدح سرائی ہے۔

'تسبیح' اور 'تقدیس' کے الفاظ بھی مدح وثنا کی ذیل میں آتے ہیں۔ کیونکہ 'سبح' کا لفظ قرآن مجید میں تحمیدِ ربّانی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ 'تقدیس' کا لفظ بھی مقدّس کے معنوں میں مستعمل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک اسم 'قدوس' بھی ہے۔ یہ دونوں الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ منزّہ کی پاکی بیان کرنے کے لیے بیان کیے جاتے ہیں۔

۲۔ بندگی، عقیدت اور شُکر کا اسلوب:

دوسرا اسلوب بندگی، عقیدت اور شکر کا اسلوب ہے۔ وہ مالکِ خلاء وملاء جو انسان کو دنیا کی بہترین مخلوق کے طور پر تخلیق کرتا ہے۔ انسان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے تو بندے کا فرض ہے کہ اپنی تمام تر بندگی، محبت اور عقیدت کو اپنے رب کے لیے وقف کر دے۔ دراصل اپنے خالق کی بندگی اور عقیدت ہی انسانیت کی معراج ہے۔ جب بندہ عاجزی، انکساری، کم مائیگی اور ممنونیت کے احساسات سے لبریز ہو کر اپنے رب کی حمد کرتا ہے تو گویا وہ اپنے رب کے ساتھ قلب وروح کی قربتوں کو محسوس کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ کے بندوں کی اس طرح شان بیان کی گئی ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ. (آلِ عمران۔۱۹۱)

وہ (عقلمند) جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے۔ (۳۷)

کائنات کی ہر شے محو حمد وثنا ہے اور اپنے مالک کی ہر لمحہ پاکی بیان کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اِن سب مخلوقات کا تنہا خالق، مالک اور رازق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت، بندگی اور عقیدت اِنسان کے قلب کو معزز، مؤدب اور مطہر کر دیتی ہے۔ دنیاوی یا مجازی محبت جہاں عاشق کو افسردگی اور غم سے نوازتی ہے وہاں اُسے منفی اور معصیت کے راستوں پر لے جا کر ذلت کی گہرائیوں میں لا پھینکتی ہے۔ لیکن اللہ عزوجل کا عشق انسان کو نہ صرف ایک فعال اور مستعد مسلمان بناتا ہے بلکہ اُس کے دل کو سکون اور شادمانی کی دولت سے بھی مالا مال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے محبوب کا عاشق ہے جو

سراپا جمال ہے، باوفا ہے، نہ صرف خود حسین ہے بلکہ صداقت اور حسن کی ستائش کرنے والے کو بھی پسند کرتا ہے۔ اپنے عاشق سے کئی گنا زیادہ محبت کرنا جانتا ہے۔ لیکن اِنسان کو لازم ہے کہ وہ عقیدت، مؤدت اور محبت کے اِس جذبے سے سرشار ہو کر حدِ اَدب پار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح بندگی کا قرینہ بیان کرتے ہیں:

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (الزمر:٦٦)

بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے۔(۳۸)

انسان کا کام تو یہ ہے کہ ہر سانس حمدِ خدا سے لبریز ہو اور ہر فعل رضائے الٰہی کے مطابق اور سنتِ رسول ﷺ کے موافق ہو۔ اللہ تعالیٰ جب ہر پل اِنسان کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے تو اِن لاتعداد نعمتوں کا شکر کرنا اِنسان پر لازم ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت قرآن پاک میں لقمان کی مثال سے شکر کے فضائل بیان کرتے ہیں:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَ
مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ

اور ہم نے عنایت فرمائی لقمان کو حکمت (ودانائی) اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے۔(۳۹) (لقمٰن:۱۲)

قرآنِ پاک میں جا بجا انسان کو اللہ کا شکر گزار بندہ بننے کو کہا گیا ہے۔ کیونکہ اگر دنیا میں ایک یا کچھ احسانات کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو پھر وہ مالک وخالق ورازق جو ہر لمحہ ہمیں اپنی نعمتوں کے حصار میں رکھتا ہے۔ اس کا شکر کیسے ادا نہ کیا جائے؟ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ؛اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے ابنِ آدم جب تو میرا ذکر کرتا ہے تو میرا شکر کرتا ہے اور جب تو مجھے بھولتا ہے تو میری ناشکری کرتا ہے۔(مسلم)

۳۔ مناجاتی اسلوب:

مناجاتی اسلوب دعائیہ حمد پر مبنی اسلوب ہے۔ جس میں بندہ عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے رب کائنات کے حضور طالبِ حاجات ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (الاعراف ۵۵)

دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ۔

اسی سورہ میں آیت ۵۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (الاعراف ۵۶)

اور دعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے۔(۴۰)

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (الشوریٰ:۲۶)

اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (اُن کے حق سے بھی) اُنھیں زیادہ (اجر) دیتا ہے اپنی مہربانی سے۔(۴۱)

وہ عظیم رب "سَمِيْعُ الدُّعَا" (دعاؤں کو سننے والا) ہے۔ بندے کی شان یہ ہے کہ اپنے رب سے طلب کرتا رہے کیونکہ وہ ہماری حاجات اور نیتوں کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ وہی تمام حاجات کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اسی لیے مناجاتی اسلوب حمد گوئی کے دیگر اسالیب میں لابُدی اسلوب ہے۔ مناجات حمد سے الگ نہیں بلکہ حمد ہی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دستِ قدرت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کرتے ہیں:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط (المومن ۶۰)

اور تمھارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔(۴۲)

وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (الشوریٰ:۲۸)

اور وہی کارسازِ حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے۔(۴۳)

دعا کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "تہذیب کا تقاضا ہے کہ جس سے دعا کر رہے ہو، پہلے اس کی خوبی کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو۔"(۴۴)

سطورِ بالا میں اسالیب کا بلحاظِ موضوع جائزہ لیا گیا ہے۔ مذکورہ تینوں اسالیب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت وسیع و بسیط ہیں اور حمد کی وسعت کو دیکھتے ہوئے اِس کے لیے کسی

ایک ہیئت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ حمد تو ایسا خوش رنگ و خوش ذائقہ مشروب ہے جو ظروف کے حسن و صورت کا محتاج نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی مہک اور خوش رنگی ظروف کو بھی زینت بخشتی ہے۔ اِس کے لیے شاعری کا کوئی ایک پیمانہ نہ تو مقرر رہا ہے نہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ حمد غزل، قصیدہ ،مثنوی ،قطعات ، رباعیات ، ہائیکو، دوہا، ماہیا، سانیٹ، نظم اور دیگر اصنافِ سخن میں لکھی جاتی رہی ہے اور لکھی جا رہی ہے۔ حمد ایسی صنفِ سخن ہے جس میں شاعر کی تخلیقی لطافت ، جمالیات اور ندرتِ فن پوری طرح جلوہ گر ہو سکتی ہے کیونکہ حمد گو کے سامنے ایک وسیع موضوع ہے جو حسنِ اعلیٰ بھی ہے اور خالقِ فکر و سخن بھی۔ لہٰذا حمد کے لیے کسی خاص ہیئت کا تعین کرنا اُس کی وسعت اور پھیلاؤ کے سامنے بند باندھنے کے مترادف ہوگا۔ جو کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ ہر صنفِ سخن کے اپنے مخصوص موضوعات ہیں اور وہ اصناف اِن موضوعات سے تجاوز نہیں کر سکتیں۔ لیکن حمد لامحدود موضوع ہے۔ اِس لیے ہر صنف میں سمویا جا سکتا ہے۔

حمد گوئی کی روایت:

حمد گوئی کائنات کی دیگر اشیا کی طرح انسان کی بھی عادتِ ثانیہ ہے۔ خطہء زمین پر بھی حمد گوئی کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خدا کے متعلق مختلف تصورات۔ ہزاروں سال پہلے کا انسان بھی اپنے خالق کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ وہ اس کی تلاش کبھی آگ میں کرتا ،تو کبھی پانی میں، کبھی مہر و ماہ کو اپنا معبود سمجھتا ،تو کبھی ان دیکھے دیوتاؤں کے ہیولے پردۂ تخیل پر تخلیق کرتا۔ انسان اپنے ان مرئی و غیر مرئی دیوتاؤں کی شان میں ہمیشہ سے حمدیہ کلمات کہتا رہا، ہر مذہب اور ہر تہذیب کے لوگ اپنے اپنے تصور کے طاقتور دیوتاؤں کی حمد کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر تو انھیں عقل و شعور خالق و مالکِ کائنات کی موجودگی کے بھی ٹھوس شواہد فراہم کر دیتا۔ یوں کبھی کبھی اس کے حمدیہ کلمات میں ایک ان دیکھے اور قادرِ مطلق خدا کی حمد بھی شامل ہو جاتی۔ خدا کا یہ دھندلا تصور قدیم تہذیبوں کی منظومات میں واضح طور پر ملتا ہے۔ تاریخی کتب میں سومیری، مصری، یونانی اور دیگر تہذیبوں کی ایسی کئی حمدیات موجود ہیں۔

جب مختلف مذاہب میں خدائے ہست و بود کا تصور پروان چڑھا تو اس کی ذات و صفات کی شان کے بیان کے لیے حمدِ باری بھی مختلف زبانوں کی نظم و نثر میں کی گئی۔ مختلف الہامی کتب و صحائف اور مختلف قدیم ہندی کتب میں بھی حمدِ باری کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

یہود اور عیسائی مذاہب میں حمد گوئی عبادت کا جزو ہے۔ انجیل میں متعدد مقامات پر حمدِ باری تعالیٰ پر مبنی آیات ملتی ہیں۔ چند امثال دیکھیے:

''خدا کے سوا گناہ کون معاف کر سکتا ہے۔'' (مرقس کی انجیل)

''میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے'' (لوقا کی انجیل) (۴۵)

اسی طرح 'عہد نامہ قدیم' میں بھی حمدِ الٰہی کے مضامین ملتے ہیں۔ 'عہد نامہ' کی ابتدا 'پیدائش' کے باب سے ہوتی ہے:

''خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا۔''

''خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانی کو فضا کے اوپر کے پانی سے جدا کیا اور ایسا ہی ہوا۔'' (۴۶)

ہندی مذہب کی بیشتر کتب میں حمدیہ منظومات شامل ہیں۔ ان مذہبی کتب کے بھجنوں میں انسان کے عجز و نیاز کے ساتھ دیوتاؤں کی ستائش و تعریف بھی شامل ہوتی تھی۔ ان ویدوں کے پہلے حصہ کو جو بھجن یا منتروں پر مشتمل ہے، سہنتا کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ برہمنا میں مذہبی رسوم وغیرہ کی معلومات ہیں۔ موءخر الذکر حصہ ایک ایک اُپنیشد پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ اپنیشد ہندو اولیا (رِشی) کی تعلیمات سے منسوب منظومات پر مشتمل ہیں جو موضوع کے لحاظ سے ظاہری مذہبی رسومات اور منتروں کے بجائے توحید اور عرفانِ ذات کی تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہندی مذاہب کے مختلف راہنماؤں نے 'اوم' (خدا) کو ہر لحہ یاد کرنے کی تلقین کی ہے۔ مختلف حمدیہ منظوم کلام بھی ان سے منسوب ہیں۔ کرشن جی کا کہنا ہے:

مام۔ اپیت۔ پنر جنم۔ دکھ۔ آلیم۔ اشاشوتم نہ۔ اپنوونتی۔ مہاتما۔ سنسدھم۔ پرمام۔ گناہ۔

اے ارجن! مجھے پا کر مہاتما لوگ اس دکھ بھرے اور فانی جہان میں پھر جنم نہیں لیتے۔ یعنی ہمیشہ کے لیے مجھ میں سما جاتے ہیں۔ یہ دنیا دکھ سے اٹی ہوئی ہے۔ اس میں پربھو بھگتی (عشق الٰہی) سے بڑھ کر اور کوئی کام ہے ہی نہیں تاکہ دکھ بھرے اس سنسار سے نجات پا کر آدمی سکھ روپ بگھون میں سما سکے۔ (۴۷)

اردو زبان نے عموماً اور حمد گوئی نے خصوصاً مسلمانوں کی دیگر زبانوں بالخصوص عربی اور فارسی سے کسبِ فیض کیا۔ عربی و فارسی روایات کے زیرِ اثر جب حمد گوئی برصغیر کے ادب کا حصہ

بنی تو نہ صرف ادب کی دیگر اصناف کی طرح مقامی طور پر لسانی، ثقافتی اور سماجی اثرات قبول کیے بلکہ برصغیر کے ادب کو فنی اور فکری سطح پر بہت کچھ دیا۔

عربی زبان میں حمد:

قبل از اسلام کا ادب عربی بھی قصائد سے مالا مال ہے۔ عرب میں شعر و شاعری رزم و بزم کا اہم جز وتھی۔ کسی کی شان میں شعر کہنا ہو، یا ہجو لکھ کر کسی کو عرش سے فرش پر بٹھانا مقصود ہو یا جنگ کے موقع پر رجزیہ اشعار کہنے ہوں، جذبے کو فروتر کرنے کا شعر و شاعری سے بہتر ذریعہ عرب معاشرے میں کوئی اور نہیں تھا۔ شعرا کو معاشرے میں باعزت مقام حاصل تھا۔ عرب اشعار میں فصاحت و بلاغت اور شعری خوبیوں کی جانچ کرنے کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ بت پرستی شعار تھا۔ دورِ جاہلیت کے ان شعرا کے کلام میں جزوی طور پر حمدیہ مضامین بھی شامل ہوتے تھے:

فَقَد اَصبَحُو وَا للہ اُصْفَا ھُمْ بِہٖ
اَبَرَّ بِمِیْثَا قِ وَ اَوْ فِی بِجِیْرَ انِ   (امراءالقیس)

ترجمہ: ان کا یہ حال ہوا کہ اللہ نے اس کی وجہ سے انہیں عزت دی۔ اس نے وعدہ پورا کیا اور ہمسایوں کا ذمہ لے لیا۔ (۴۸)

اِذ کا نَ بَعْضُ المالِ رَبَاَ لِاَھْلِہٖ
فَاُنِی بِحَمْدِ اللہ مَا لِیْ مَعَبَّد   (حاتم طائی)

ترجمہ: بعض مالداروں کے مال ان کے لیے رب ہیں، لیکن میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ میرا مال میرا غلام ہے۔ (۴۹)

اسلام کے پھیلنے کے بعد بھی شعر کہنا اسی طرح مروج رہا البتہ اس میں ایمان اور عشقِ رسول ﷺ کے حسین رنگ نظر آنے لگے۔ حمدیہ اشعار صحابہ کرامؓ کی شاعری کا حصہ بھی رہے لیکن اب ان میں توحید اور وحدانیت کی آب و تاب نمایاں تھی:

اذھب اللہ ضل الجھل عنا
و اُتنا الرخا و المیسور   (عبداللہؓ بن الزبعری)

ترجمہ: خدا نے جہالت کی گمراہی ہم سے دور فرما دی اور ہم کو خوش بختی اور خوشحالی حاصل ہوگی۔(۵۰)

فــآمــنــت بــالــلــه الــذی انــا عبــده

وخــالـفـت مـن امـی یـریـد المهـا لکـا (عباسؓ بن مرداس)

ترجمہ: میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا میں بندہ ہوں اور جو ہلاکت چاہتے تھے میں نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی۔(۵۱)

وَ یُـعِیْـنُـنَـا الـلّٰــهُ الْعَـزِیْـزُ بِقُوَّةٍ

مِنْـهُ وَ صِدْقِ الصَّبْـرِ سَـاعَةَ نَلْتَقِی (کعبؓ بن مالک)

ترجمہ: اور قوت اور غلبے والا خدا ہماری مدد اس طرح کرتا ہے کہ جب ہم دشمنوں سے لڑتے ہیں تو وہ ہمارے اندر قوت، تاب مقابلہ اور صبر و استقلال پیدا کر دیتا ہے۔(۵۲)

وَ اَکْـرَمَـنَـا الـلّـه ُالَّذِیْ لَیْـسَ غَیْـرَهٗ

اِلٰـهٌ بِـاَیَّـامٍ مَضَـتْ مَـا لَهَـا شَکْلٗ (حسانؓ بن ثابت)

اس اللہ نے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہمیں ایسے دور میں شرف بخشا، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔(۵۳)

زمانہء رسول کے بعد بھی خانوادۂ نبوت کے کلام میں منظوم حمد گوئی کی روایات ملتی ہیں اس سلسلے میں حضرت امام حسینؓ، امام زین العابدینؒ اور دیگر امامینؒ و صوفیائے کرامؒ کی منظوم حمد گوئی ملتی ہے۔

خلفائے راشدینؓ خصوصاً حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں اسلامی سلطنت کی حدیں دیگر براعظموں تک پھیل گئیں۔ بعد کے مسلم شعرا کے کلام میں حمد گوئی کے مضامین واضح نظر آتے ہیں۔

دَعَوْا یَسْتَخلِفُ الـرَّحمَانُ خَیْـرَهُم

وَ الـلّـه یُسْمَعُ دَعْوٰی کُلِ مَکْرُوبِ (فرزدق)

اللہ تعالیٰ کو پکارو تا کہ وہ ان کے مال کا جانشین بنا دے اور اللہ ہر مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہے(۵۴)

تَـوَکَّـلْـتُ فِـی رِزقِـی عَـلـیٰ الله خالِقِی

وَایـقَـنـتُ اَن الـلّـه لا شكَّ رازِقِـی (امام شافعی)

مجھے اپنے رزق کے سلسلے میں اللہ پر پورا اعتماد

ہے، وہی میرا خالق ہے اور مجھے اس میں شک
نہیں کہ اللہ میرا رازق ہے۔(۵۵)

عرب سے عجم تک کا سفر عربی شاعری کی زریں روایت اور توحید پر غیر متزلزل ایمان بھی ساتھ لایا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری تک اسلام ایران، مصر، شام اور اندلس تک پھیل گیا۔ حمد گوئی بھی دیگر علوم کے ساتھ ان مما لک میں پہنچی اور مقامی شاعری میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔

برصغیر میں عربی حمد گوئی:

اسلام کے ساتھ اسلامی علوم وفنون بھی برصغیر پہنچے۔ برصغیر کے ابتدائی اسلامی دور میں ادب اور تہذیب وتمدن پر اسلام اور عرب مسلمانوں کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ نثر اور نظم میں عربی زبان کو بھی ذریعہء اظہار بنایا گیا۔ ابتدائی دور کے اردو کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کثرت سے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی شاعری کی بھی کچھ امثال موجود ہیں۔ امیر خسرو (۱۲۵۳ء۔ ۱۳۲۵ء) نے فارسی کلام میں توحید اور تصوف کے مضامین کے بیان میں عربی الفاظ کا مناسبت سے استعمال کیا:

حمدرانم بر زبان لله رب ا لعلمین
آنکه بخشیده است از قرآن هد ی ا للمتقین
ای بملك لا یزالت خطبه حتی لا یموت
ما ہمه میرنده ایم و انت خیر ا لوارثین(۵۶)

برصغیر میں سید محمد گیسو دراز، بدرالدین الدمامینی، شیخ ابو یحییٰ زین العابدین المعبری الملیباری، شاہ احمد شرعی چندیری، بحرق الحضرمی، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی، فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا حمیدالدین فراہی وغیرہ کے عربی شاعری کے نمونے بھی ملتے ہیں:

الحمدُ للہ الموافق لِلْعُلا
حَمْداً یُوَافِی بِرَّہٗ المتکاملا (شیخ ابو یحییٰ مالاباری)

حمد اللہ کے لیے جو بلندی کی توفیق دینے والا ہے۔ ایسی حمد جو اس احسانِ
کامل کے برابر ہو سکے۔(۵۷)

لـلــــهِ مُــدامُ ذو بَـلــج
اھـدیٰ فِـی الَّیـلِ مِـنَ السِّراجِ (سید غلام علی آزاد بلگرامی)

اللہ کے لیے کشادہ اور مسلسل ہونے والی بارش ہے اس نے تاریکیوں کے لیے چراغ فراہم کیے۔(۵۸)

عربی کی اس روایت کی پاسداری تا حال جاری ہے اس کے علاوہ قرآنی آیات کو منظوم حمد میں لانے کا رجحان آج بھی اردو حمد گو شعرا کے کلام میں کثرت سے ملتا ہے۔

حمد کی فارسی روایت:

برصغیر میں آنے والی دوسری مضبوط حمد یہ روایت فارسی ادب کی ہے۔عربی ادب نے عجمی ادب کے دامن کو بھی توحید و رسالتﷺ کے آبدار موتیوں سے مزین کر دیا۔عجمی شعراء نے ہر صنفِ ادب ،خصوصاً نعت کے ساتھ حمد پر بھی طبع آزمائی کی۔فارسی شاعری میں یہ روایت فردوسی (۹۴۰ء۔۱۰۲۰ء) کے شاہنامہ سے ملتی ہے۔فردوسی نے اپنے شاہنامہ کا آغاز باقاعدہ طور پر حمد یہ اشعار سے کیا۔مختلف فارسی شعرا کے کلام میں حمد کی امثال موجود ہیں۔

بنام خداوندِ جان و خرد کزیں برتر اندیشہ برنگزرد(۵۹)
(فردوسی)

روح اور عقل کے پروردگار کے نام سے، کہ اس سے آگے خیال کا گزر نہیں۔

خالق و رازق زمین و زماں حافظ و ناصر مکین و مکاں(۶۰)
(سنائی)

اے زمین وزماں کے خالق اور رازق ،اے زمین اور اس پر بسنے والوں کے حافظ و ناصر مکاں اور مکیں سب تیری ہی کارگری سے ہیں۔

بنام خداوندِ جاں آفریں حکیمِ سخن ور ،زباں آفریں
ولیکن خداوندِ بالا و پست بہ عصیاں درِ رزق بر کس نہ بست(۶۱)
(سعدی)

زندگی بخش خدا کے نام سے جو حکمت سے پُر کلام اور زبان و آہنگ کا آفریدگار ہے۔ جو پستی اور بلندی کا مالک ہے اور نافرمانی کے باعث کسی پر رزق کے دروازے بند نہیں کرتا۔

من چہ گویم؟ چوں تو میدانی نہان   کا ی کمینہ بخششت ملک جہان
(رومیؔ)

اے! وہ کہ دنیا کی سلطنت تیری معمولی بخشش
ہے، میں کیا کہوں؟ تو خود پوشیدہ بات جانتا
ہے۔(۶۲)

گر خبر داری ز عدل و دادِ حق   باش دائم اے پسر در یادِ حق
ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رہنا۔اگر تم اُس کے عدل اور عطا سے واقف ہو۔
مرہم آمد ایں دل مجروح را   یادِ حق آمد غذاایں روح
(شیخ عطارؔ)

اللہ کی یاد روح کے لیے غذا ہے اور زخمی دل کا ایک مرہم ہے۔(۶۳)

نقشِ مستوری و مستی نہ بدستِ من وتست
آنچہ استادِ ازل گفت بکن آ کردم   (حافظؔ شیرازی)

مستوری اور مستی میرے اور تیرے اختیار سے باہر ہے۔ جو کچھ کہ مجھے اس استادِ ازل (اللہ تعالیٰ) نے کہا ہے میں وہی کر رہا ہوں اور میں نے وہی کیا ہے۔(۶۴)

کُنہ تو برون از حدِ ادراک(۶۵)   ای ذاتِ تو از صفاتِ ما پاک
(جامیؔ)

تیری ذات ہماری صفات سے پاک ہے، تیری حقیقت ہماری سمجھ کی حدود سے باہر ہے۔

برصغیر میں فارسی حمد گوئی:

فارسی کی اس روایت نے نہ صرف اردو شعرائے کرام کو منظوم حمد گوئی کا سلیقہ دیا بلکہ برصغیر کے شعراء نے فارسی روایت کے تتبع میں فارسی حمد گوئی میں بھی طبع آزمائی کی۔ برصغیر کے مشہور فارسی شعراء میں امیر خسرو، بُو علی قلندر، فیضی، نظیری، ظہوری، طالب آملی سنامی ، دارا شکوہ، بیدل ، مظہر جانِ جاناں، غالب دہلوی، خوشحال خان خٹک، غنیمت کنجاہی، مولانا محمد قاسم، شبلی ورا قبالؔ حمد گوئی میں قابلِ ذکر ہیں۔ برصغیر کے صوفیاء اور دیگر شعراء نے نہایت عمدگی سے زبانِ فارسی میں حمدیہ مضامین کو رقم کیا۔ برصغیر کے چند شعرا کا فارسی نمونہء حمد:

ای کشایندہء خزانہء جود نقش پیوندِ کار گاہِ وجود
کوکب آرائی آسمانِ بلند ہم زمیں ساز وہم ملک پیوند(۶۶)

(امیر خسرو)

اے لطف وکرم کے خزانوں کو کھولنے والے اور کارخانہء زندگی کے نقش گر۔ بلند آسمان کے ستاروں کو جگمگانے والے، زمین کو بھی تو نے خلق کیا اور اس پر آسمانوں کا بھی اضافہ کیا۔

ای خلا و ملا خوی تو ہنگامہ وا باہمہ در گفتگو، بی ہمہ با ما جرا(۶۷)

(غالبؔ)

اے وہ ہستی کہ جو خلوت وجلوت میں اپنی عادت کے باعث ہنگامہ آرائی کرتی رہتی ہے۔ سب کے ساتھ گفتگو میں رہتی ہے، اور اگر کوئی نہیں ہوتا تو بھی اس کے قصے اور افسانے کم نہیں ہوتے۔

شہیدِ نا زِ او بزمِ وجود است نیاز اندر نہاد ہست و بود است
نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب بسیمائے سحر داغِ سجود است(۶۸)

(اقبالؔ)

کائنات اس کی محبت میں محو ہے اور ہر شے کی فطرت میں اس کے سامنے جھکنے کی لذت رکھی گئی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمان کی پیشانی پر بھی سورج کی صورت میں سجدے کا داغ ہے۔(۶۹)

برصغیر میں اردو حمد گوئی کی روایت:

اردو حمد گوئی عربی اور فارسی روایت کے زیرِ اثر مسلمانوں کی برصغیر میں آمد کے ساتھ ہی اردو شعری روایت کا حصہ بنی۔ اردو شاعری کی قدیم ترین اصناف میں بھی حمد ونعت کے موضوعات ملتے ہیں۔ حمد ونعت کی اس روایت کا تسلسل مختلف سیاسی، ادبی وسماجی نشیب وفراز کے باوجود قائم و دائم رہا، جو آج بھی اس خطے میں پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ و پایندہ ہے۔ اس روایت کے اولیں معمار وہ مسلمان صوفیا و بزرگانِ دین تھے جو مسلم فاتحین کے ساتھ عرب وعجم کے مختلف خطوں سے برصغیر آئے تھے۔ تبلیغ وہدایت کے لیے آنے والے یہ بزرگ ابتدا ہی سے اپنی مادری زبان کی جگہ عوام کی زبان اپنانے کی کوشش کرتے اس طرح عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور علاقائی زبانوں کے امتزاج نے ایک نئی زبان کو جنم دیا۔

صوفیائے کرام نے جن ذرائع سے تبلیغ و ہدایت کا کام لیا وہ اردو ادب کے ابتدائی

نمونے کہلائے۔نظم ونثر میں یہ نمونے خطبات، اقوال، مختلف رسائل و کتب اور منظومات وغیرہ کی شکل میں ملتے ہیں۔جغرافیائی اعتبار سے برصغیر کے دو خطوں میں بسنے والے کچھ صوفیائے کرام کے کلام کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

شمالی ہند کے صوفیائے کرام کے کلام میں حمدِ باری تعالیٰ اولین موضوع کے طور پر نظر آتی ہے:

تیری پناہ خداء تو بخشندگی　　　شیخ فرید خیر دیجیے بندگی

(شیخ فریدالدین شکر گنج)

پہیلی در حمدِ الٰہی جل جلالہ وعز شانہ　　　سب سکھن کا پیا پیارا

سب میں ہے اور سب سُوں نیارا　　　وا کی آن مجھے یہ بھا

جا کی ہے بن دیکھے چا

(امیر خسروؒ)

اللہ سیتیں جے کوئی ہوئے　　　اللہ اور جگ اس کا ہوئے

من مراد گھر بیٹھے پاوے　　　اس کو مار نہ سکھے کوئے

(شیخ بہاؤالدین باجن)

بابا بلھے شاہ (۱۶۸۰ء۔۱۷۵۷ء) کے کلام میں کہیں کہیں قدیم اردو کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔''ہوری'' کافی میں حمدیہ ونعتیہ اشعار:

ہوری کھیلوں گی کہہ بسم اللہ
نام نبی کی رتن چڑھی بوند پڑی اللہ اللہ
رنگ رنگیلی اوہی کھلاوے جو سکھی ہووے فنا فی اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ بسم اللہ　　　(بابا بلھے شاہؒ)

جنوبی ہند (بہمنی و دکنی دور) کے صوفیائے کرام کے کلام میں بھی حمد کا موضوع ابتدا سے موجود ہے۔بہمنی دور کی پہلی تصنیف نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا آغاز مثنوی کی عام ہئیت کا مطابق حمد سے ہوتا ہے۔آغاز میں ۲۹ حمدیہ اور ۲۲ نعتیہ اشعار ہیں۔نمونۂ حمد:

گسائیں تہیں ایک دُنہ جگ ادار　　　برو برو نہ جگ تہیں دینہار

اکاش انچہ پاتال دھرتی تہیں　　　جہاں کچہ نکوئی، تہاں ہے تہیں

(فخرالدین نظامی)

شہباز حسین کھوئے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
اللہ آپ یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

(خواجہ بندہ نواز گیسو دراز)

بسم ا للہ ا لر حمٰن الرحیم توں سبحان
یہ سب عالم تیرا رازق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئے نہ خالق دوجا ہوئے

(میراں جی شمس العشاق)

اللہ واحد سرجن ہار دو جگ اچنار رچیا اُپار
سگلا عالم کیا ظہور اپنے باطن کیری نور

(برہان الدین جانم)

جنوبی ہند کے دیگر شعراء کے کلام میں حمد:

دکن کے دیگر شعرا کی مثنویات اور دیگر شاعری میں حمدیہ اشعار کی کثرت ہے۔حمد کے بعد یا پھر آخر میں مناجاتی اشعار بھی موجود ہیں۔جنوبی ہند کے چند شعرا کے حمدیہ کلام کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے۔ملک خوشنود نے امیر خسرو کی فارسی مثنوی ''ہشت بہشت'' کا ترجمہ ''جنت سنگار'' کے نام سے کیا۔حمدیہ کلام دیکھیے:

کہا ہوں حمد اول میں خدا کا کہا ہوں نعت بعد از مصطفیٰ کا

حسن شوقی کی تصانیف میں فتح نامہ نظام شاہ ،میزبانی نامہ، وغیرہ ہیں:

اول یاد کر پاک پروردگار پچھیں شاد کر شاہِ عالی تبار

صنعتی کی ''قصہ بے نظیر'' میں حمدیہ اشعار:

ثنا بول اول تو سبحان کا جو خلاق ہے جن و انسان کا
تو یوں دوستاں کا مدد گار ہے بجز شرک سب کوں تو غفار ہے

مقیمی کی مثنوی ''چندر بدن مہیار'' میں مناجاتی اشعار:

مجھے فیض کچھ بخش تج دھیان کا الٰہی تو حا فظ ہے ایمان کا
مرا دین ایمان سارا سوں تو مرے جیو میں کیتا ہے ٹھارا سوتوں

محمد قلی قطب شاہ(۱۵۸۰ء۔۱۶۱۲ء) اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر جس نے اپنے کلیات کی ابتدا حمد سے کر کے اردو شاعری میں ایک نئی روایت کی طرح ڈالی:

بندا ہوں گنہگار خدا میرا گنہ بخش
تج لطف کیرا فیض خدا منج کو سدا بخش
یک جیب سے کرتا ہوں تجے شکر ہزاراں
بھی شکر کروں منج کوں تو توفیق نوا بخش

ولی دکنی (۱۶۶۸ء۔۱۷۴۴ء) اردو کا صاحبِ دیوان شاعر تھا۔حمدیہ کلام میں تصوف اور تصوف میں وحدت الوجود کے مضامین ہیں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے

دکنی محفل اجڑنے کے بعد حمد گوئی اپنی روایت کے ساتھ شمالی ہند میں پہنچی جہاں صوفیاء کے زیرِ اثر پہلے سے ہی حمد کی ایک زریں روایت موجود تھی۔لسانی ارتقاء پر مبنی دکنی روایت نے شمالی ہند کی اس زریں روایت کو صیقل کیا اور اندازِ بیان کے نئے نئے اسالیب اور لسانی تجربوں سے اردو کے نفیس دامن کو نیرنگی بخشی۔

ایہام گوئی کی تحریک کے خاتمے کے اولیں علمبردار مرزا مظہر جانجاناں تھے۔آپ کا شمار دلی کے برگزیدہ صوفیا میں ہوتا تھا۔وہ زبان و بیان پر مکمل دسترس رکھتے تھے،زہد و ریاضت کے ساتھ شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق تھا۔فارسی و اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔حمدِ باری اور تصوف اُن کی شاعری کا اہم موضوع تھا:

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست　　محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدحِ آفرینِ مصطفیٰ بس　　محمد حامدِ حمدِ خدا بس　　(مظہر جانجاناں)

اگلا دور میر و سودا کا دور کہلاتا ہے۔میر،سودا اور درد کے کلام میں حمد و نعت کی اچھی امثال موجود ہیں۔اٹھارویں صدی کے نصف تک کا دور محمد شاہ،احمد شاہ،عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی کی نا اہلیوں اور بے تدبیریوں کا دور ہے۔نہ صرف عالمگیر کے ان نااہل جانشینوں نے ہندوستانی حکومتی ڈھانچے میں بہت سی دراڑیں ڈال دیں بلکہ نادر شاہ،جاٹ،مرہٹے،سکھ، روہیلوں اور احمد شاہ ابدالی کی سپاہ نے لوٹ مار اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا جس نے اس عظیم

خطے کو سیاسی ،سماجی اور معاشی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا۔ان حالات میں مذہب اور روحانیت کی طرف میلان بڑھنے لگتا ہے اس لیے اس دور میں شعری اسالیب میں متصوفانہ رجحانات کو فروغ ملا اور زندگی کی بے ثباتی نے مذہب اور روحانی اقدار کی اہمیت بڑھا دی۔ جہاں دنیا کی بے ثباتی اور توحید کے اثرات دلوں میں راسخ ہوئے وہاں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تصورات بھی قلوب واذہان میں جاگزیں ہونے لگے۔

ثنا سننے کو تیری گل ہوا گوش
دہن میں سو زباں غنچے کی خاموش
جہاں اس باغ میں آبِ رواں ہے
تو موج اس کی تری رطب اللساں ہے
چمن کو دیکھ مرغانِ خوش آہنگ
کریں ہیں وصف تیرا سب بہر رنگ

(مرزا رفیع سوداؔ)

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

(میر دردؔ)

اشجار خامہ ہوویں جو آب سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا

(میر تقی میرؔ)

سدا دل سے اے مومن پاکباز وضو کر کے پڑھ پنج وقتی نماز
بوقت منا جات با صد نیاز یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کر کے دراز
کریما بخشای بر حال ما کہ ہستم اسیر کمند ہوا

(نظیر اکبر آبادی)

حمد کی اس شعری روایت نے لکھنوی شعرا پر بھی شعوری اور لاشعوری اثرات مرتب کیے۔کیونکہ دلی کی محفل اجڑنے کے بعد کئی معروف اساتذہ کرام امن وآشتی کی تلاش میں لکھنو ہجرت کر گئے تھے۔لکھنوی شعرا کے ہاں حمد سے کلام کی ابتدا کرنے کی روایات ملتی ہیں۔لیکن لکھنو کے حالات چونکہ دلی سے بہتر تھے لہذا تصوف اور دنیا کی بے ثباتی کا وہ احساس نہیں ملتا جو شعرائے

دلی کے کلام کا خاصہ تھا۔لکھنوی نوابین کا مذہب کی طرف رجحان تھا۔اہلِ تشیع ہونے کے باعث مرثیہ گوئی کونسبتاً زیادہ فروغ حاصل ہوا۔مراثی اور مثنویات میں جزوی طور پر حمد ونعت کے مضامین کوشامل کیا گیا۔میر حسن کی مثنوی 'سحر البیان' کا آغاز حمد کے ۱۳۸ اشعار سے ہوتا ہے:

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم کہ ہے ذات تیری غفورُ رَّحیم
رہِ حمد میں تیری عزوجل تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

(میر حسنؔ)

وحدہ لا شریک لہٗ ہے وہی کیجیے جس طرف نگہ ہے وہی

(میر اثرؔ)

بیعت خدا سے مجھ کو ہے بے واسطہ نصیب
دستِ خدا ہی نام مرے دستگیر کا

(امام بخش ناسخؔ)

غالب ومومن کے دور میں حمد گوئی کی روایات ملتی ہیں۔خصوصاً غالب کی جدت پسند طبیعت نے حمد گوئی میں بھی جدت طرازی کی۔استعاراتی انداز اپنایا اور ربِ جلیل کی قدرتوں کا بیان فلسفیانہ انداز میں کیا۔کلامِ غالب میں فارسی اور اردو زبانوں میں جزوی طور پر حمدیہ انداز ملتا ہے۔اُس دور کے اکثر شعرا کے کلام میں حمدیہ مضامین موجود ہیں:

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بے زار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

(مومنؔ)

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بُو بھی ہوتی کہیں دو چار ہوتا

(غالبؔ)

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد للہ ا لعا لمین کا ہے قلم میرا

(شیخ ابراہیم ذوقؔ)

غالب ومومن کے بعد کے ادوار میں حمد ونعت کو بہت ترقی اور عروج حاصل ہوا۔حمد

گوئی اگر چہ اردو شاعری کے پہلو بہ پہلو شعری روایت کا حصہ بنی رہی لیکن ۱۸۸۰ء کا سال اردو شاعری کا ایسا مبارک سال ثابت ہوا جب لاہور کے ایک عالم باعمل مفتی غلام سرور لاہوری نے اردو کا سب سے پہلا مجموعہ حمد ''دیوانِ حمدِ ایزدی'' لکھنوء سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس دور، نیز بعد کے ادوار کے دیگر حمد گو شعرا میں امیر مینائی، محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا حالی، محمد اسمٰعیل میرٹھی، حسن رضا بریلوی، اکبر میرٹھی، اکبر الہ آبادی، اصغر گونڈوی، مولانا ظفر علی خان، جگر مرادآبادی، مولانا حسرت موہانی، سیماب اکبرآبادی، دوسرے حمدیہ شعری مجموعہ ''نذرِ خدا'' (کانپور ۱۹۱۲ء) کے خالق مضطر خیرآبادی، حافظ پیلی بھیتی، علامہ اقبال، فانی بدایونی، علامہ ثاقب کانپوری، حفیظ جالندھری اور صبا اکبرآبادی جیسے خوش نصیب شعرائے کرام شامل ہیں۔ اردو حمد گوئی کی یہ شاندار روایت ملکِ خداداد پاکستان کے شعرائے کرام کو ورثاً ملی۔

(حوالہ جات)

۱۔ قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مرتبہ: محمد میاں صدیقی، ڈاکٹر، طبع سوم مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۷

۲۔ قائد اللغات، مرتبہ: ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، طبع دوم، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، سن ندارد، ص ۴۶۵

۳۔ فرہنگ آصفیہ، مرتبہ: سید احمد دہلوی، جلد دوم، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، س۔ن، ص ۱۷۰

۴۔ علمی اردو لغت، مرتبہ: وارث سرہندی، اکتوبر ۱۹۸۳ء، طبع سوم، علمی کتب خانہ لاہور، س۔ن، ص ۶۵۶

۵۔ نور اللغات، مرتبہ: نورالحسن نیّر، مرحوم، جلد اول، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۳۰

۶۔ المنجد، فی اللغۃ والاعلام، دارالمشرق ص۔ب ۹۴۶، بیروت لبنان، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۲

۷۔ صراح، فراح، جلد اول مع فرہنگ مسمّٰی بہ لکھنو، مطبع نولکشور، جلد اول، ۱۲۰۵ھ، ص ۲۲۳

۸۔ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ (مفسر)، محمد صاحب جونا گڑھی مولانا (مترجم) تفسیر ابنِ کثیر، جلد اول، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، نومبر ۱۹۹۹ء، ص ۴۷

۹۔ ابوالکلام آزاد مولانا، اُمُّ الکتاب، (تفسیر سورہ فاتحہ)، مکتبہ جمال، تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۰

۱۰۔ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ (مفسر)، محمد صاحب جونا گڑھی مولانا (مترجم)، تفسیر ابنِ کثیر، جلد اول، ایضاً ص ۴۶

۱۱۔ محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن جلد اول، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۲

۱۲۔علامہ جلال الدین محلیؒ وعلامہ جلال الدین سیوطیؒ (مفسرین)،محمد نعیم دیوبندی (شارح)،،تفسیر کمالین،شرح اردو تفسیر جلالین (جلد اول)،مکتبہ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء،ص ۲۷
۱۳۔احمد یار خان نعیمی مفتی،تفسیرِ نعیمی،مکتبہ اسلامیہ،مفتی احمد یار خان روڈ،گجرات،س۔ن،ص ۵۳
۱۴۔عبدالرحمٰن کیانی مولانا،تیسیر القرآن (جلد اول)،مکتبہ الاسلام،لاہور،س۔ن،ص ۳۵
۱۵۔کرم شاہ الازہری پیر،مترجم ومفسر: ضیاء القرآن (جلد سوم)،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،محرم الحرام ۱۳۹۹ھ،ص ۶۱۴
۱۶۔اسلامی انسائیکلو پیڈیا،مرتبہ: محبوب عالم مولوی،الفیصل اردو بازار،لاہور،اگست ۲۰۰۵ء،ص ۲۷۳
۱۷۔کرم شاہ الازہری: مترجم ومفسر: ضیاء القرآن (جلد چہارم)،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ ص ۲۹۳
۱۸۔ایضاً،جلد دوم،ص ۶۶۲ ۱۹۔ایضاً،جلد دوم،سوم،چہارم،متفرق صفحات
۲۰۔ایضاً،جلد اول،ص ۴۴،۴۵،۴۶
۲۱۔راغب اصفہانی،المفردات فی غریب القرآن،نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ،کراچی،س۔ن،ص ۱۳۱
۲۲۔کرم شاہ الازہری پیر: مترجم ومفسر: ضیاء القرآن (جلد دوم)،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ،ص ۶۹۱
۲۳۔حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ (مفسر)،تفسیر ابنِ کثیر،جلد اول،محمد صاحب جونا گڑھی مو انا (مترجم)،ایضاً،ص ۴۶
۲۴۔ابنِ ہشام: مرتبہ،سیرت النبیؐ کامل،عبدالجلیل صدیقی مولانا: مترجم، غلام رسول مہر مولانا: نظر ثانی و تہذیب،جلد دوم،شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز،لاہور،۱۹۷۹ء،ص ۳۰۲
۲۵۔ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری،علامہ (مصنف)،عبداللہ العمادی،علامہ (مترجم)،طبقات ابن سعد اخبار النبیؐ ،دارالاشاعت اردو بازار کراچی،جلد اول،۲۰۰۳ء،ص ۱۲۸،۱۲۹
۲۶۔ایضاً،ص ۱۲۳
۲۷۔ابنِ ہشام: مرتبہ،سیرت النبیؐ کامل،حصہ اول،عبدالجلیل صدیقی مولانا: مترجم، غلام رسول مہر مولانا: نظر ثانی وتہذیب،شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز،لاہور،س۔ن،ص ۲۲۱
۲۸۔ایضاً،ص ۲۸۹ ۲۹۔ایضاً،ص ۸۳۱
۳۰۔دیوان حضرت علیؓ،نگارشات،میاں چیمبرز،۳ٹمپل روڈ لاہور،۱۹۹۵ء،ص ۲۴
۳۱۔کرم شاہ الازہری پیر: مترجم ومفسر: ضیاء القرآن (جلد سوم)،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،محرم الحرام ۱۳۹۹ھ ،ص ۴۲۱،۴۲۲،۴۲۳
۳۲۔معین الدین چشتی خواجہؒ،دیوان غریب نوازؒ،نظامی مسلم احمد: مرتب،کتب خانہ نذیریہ اردو بازار جامع مسجد

دہلی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۷

۳۳۔ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ مشمولہ ماہنامہ سلسبیل، حاجی فضل احمد: مدیرِ اعلیٰ، محمد اقبال: مدیر، شمارہ ۲۱، جلد ۳، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۵ء، ادارہ تصوف، احمد پارک موہنی روڈ لاہور، ص ۶۲

۳۴۔ سید علی بن عثمان ہجویریؒ: مصنف، عبدالرؤف صدیقی مولانا: مترجم، کشف المحجوب (اردو)، اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور، س۔ن، ص ۵۵

۳۵۔ عنبرین مغیث سروری قادری، ’اللہ تجلیاتِ اسمائے الٰہیہ‘ مشمولہ سلطان الفقر لاہور ماہنامہ، شمارہ ۳، جلد ۵، محمد اسد سروری: مدیرِ اعلیٰ، اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۲۶

۳۶۔ فارسی کلام سچل سرمستؒ مشمولہ دیوانِ آشکار، جلد اول، علی اکبر درازی قاضی: مترجم، مہران پبلشرز ۱۹/ ۱۶۶ منصورہ کراچی ۳۸، نومبر ۱۹۸۱ء

۳۷۔ ایضاً، جلد اول، ص ۳۰۶

۳۸۔ ایضاً، جلد چہارم، ص ۲۸۲　　۳۹۔ ایضاً، جلد سوم، ص ۶۰۴، ۶۰۵

۴۰۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۳۸، ۳۹　　۴۱۔ ایضاً، جلد چہارم، ص ۳۸۰

۴۲۔ ایضاً، ص ۳۱۴　　۴۳۔ ایضاً، ص ۳۸۱

۴۴۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، جلد اول، طبع یازدہم، ستمبر ۱۹۷۳، ص ۴۳۔

۴۵۔ کتابِ مقدس یعنی پُرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۲۰۰۵ء، ص ۳۶، ۵۲، ۵۳، ۵۴

۴۶۔ ایضاً، ص ۵

۴۷۔ رائے روشن لعل، شارح، بھگوت گیتا، فکشن ہاؤس، ۱۸ مزنگ روڈ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۵

۴۸۔ ابوسفیان اصلاحی ڈاکٹر، عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء مشمولہ نقوش، قرآن نمبر، جلد چہارم، مدیر: جاوید طفیل، شمارہ نمبر ۱۴۶، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۵۹۷، ۵۹۸

۴۹۔ ایضاً، ص ۵۸۹

۵۰۔ مسعود الرحمٰن خان ندوی، عہدِ نبوی میں مدحتِ رسول ﷺ، مشمولہ نعت رنگ، سید صبیح رحمانی، مرتب، شمارہ ۱۶، اقلیمِ نعت ۲۰۱۔ ای، صائمہ ایوینو، سیکٹر ۴ بی، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۲۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۸

۵۲۔ ابنِ ہشام: مرتبہ، سیرت النبیؐ کامل، عبدالجلیل صدیقی مولانا: مترجم، غلام رسول مہر مولانا: نظر ثانی و تہذیب، جلد دوم، ایضاً، ص ۳۰۵

۵۳۔ ایضاً، ص ۶۷۸

۵۴۔ ابوسفیان اصلاحی ڈاکٹر، عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء مشمولہ نقوش، قرآن نمبر، جلد چہارم، مدیر: جاوید طفیل، ایضاً، ص ۶۰۶

۵۵۔ابوسفیان اصلاحی ڈاکٹر،عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء مشمولہ نقوش،قرآن نمبر،ایضاً،ص۶۱۱
۵۶۔اقبال صلاح الدین،خسرو شیریں زبان،مکتبہ میری لائبریری لاہور،۱۹۷۰ء،ص۱۳۵،۱۵۶
۵۷۔سید فیاض محمود و پروفیسر عبدالقیوم، مدیرانِ خصوصی، تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند،عربی ادب، (دوسری جلد)، پنجاب یونیورسٹی لاہور،فروری ۱۹۷۲ء،ص۱۹۶، ۱۹۷
۵۸۔ایضاً،ص۶۳۷
۵۹۔فردوسی،شاہنامہءفردوسی، نولکشور،کانپور،۱۳۲۶ھ،ص۲۸
۶۰۔سنائی،حدیقۂ سنائی،نولکشور لکھنو،۱۸۸۷ء،ص۸۷
۶۱۔سعدی شیرازی،بوستانِ سعدی،تہران،نشرِ سوئم،۱۳۸۴ھ
۶۲۔مولانا روم،مثنوی مولوی معنوی (اول،دوم) سجاد حسین قاضی مولانا،حامد اینڈ کمپنی لاہور،س۔ن،ص۳۴
۶۳۔شیخ عطار،'ذکر اللہ کی فضیلت' مشمولہ ماہنامہ سلسبیل لاہور،حاجی فضل احمد:مدیر اعلیٰ،شمارہ:۱۸،جلد:۳،ادارہ تصوف احمد پارک موہنی روڈ لاہور،مئی ۱۹۶۵ء،ص:۱۵
۶۴۔میاں مقبول احمد پروفیسر (مترجم ومحقق)،شرح دیوانِ حافظ شیرازی،مشتاق بک کارنر،الکریم مارکیٹ،اردو بازار لاہور، س۔ن،ص۷۹۶،۸۵۳
۶۵۔جامی،کلیاتِ جامی،نول کشور،لاہور،۱۹۳۳ء،ص۸
۶۶۔امیر خسرو،ہشت بہشت،مطبع انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ کالج،۱۹۱۸ء،ص۱
۶۷۔وزیر الحسن عابدی (مرتب)،غزلیاتِ غالب فارسی،پنجاب یونیورسٹی لاہور،۱۹۶۹ء،ص۳
۶۸۔پیامِ مشرق،علامہ اقبال،غلام علی پبلشرز لاہور،طبع پنجدہم،۱۹۷۸ء،ص۲۵
۶۹۔خرّم علی شفیق،مرتّبہ شفیق (مترجمین)،نثری ترجمہ:پیامِ مشرق،محمد اقبال (شاعر)،اقبال اکادمی پاکستان،طبع اول ۲۰۱۰ء،ص۱۱

اُردو حمدیہ شاعری میں پاکستانیت

ڈاکٹر احسان اللہ طاہر

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یہ وہ نعرہ تھا جو کہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ اس کلمے کی بنیاد پر ''دوقومی نظریہ'' کی تخلیق ہوئی جسے عام کرنے کے لیے جہاں ہمارے سیاست دانوں نے اپنے اپنے اندازِ فکر سے عوام کو اس کی تفسیر بتائی، وہاں نئی نسل میں اس نظریے کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ہمارے اہلِ دل، اہلِ درد اور اہلِ نظر تخلیق کاروں نے بھی اپنی شاعری، افسانہ، ناول اور ڈرامے وغیرہ میں اس کی ترویج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس وقت کے دانش ور طبقے کو ایک الگ ملک کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی جب کہ ہم صدیوں سے اکٹھے رہ رہے تھے؟ یہ نعرہ بنیاد کیوں بنا؟ یہ فکر کب سے پروان چڑھ رہی تھی؟ اس فکر کے اصل محرکات کیا تھے؟ ان تاریخی حقیقتوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے بلکہ اب تو ان موضوعات پر الگ الگ کتابیں اور مقالے بھی چھپ چکے ہیں جن میں ایسے موضوعات پر سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ ہمارا تخلیق کار کسی دور میں بھی اپنے فرائضِ منصبی سے غافل نہیں رہا۔ ملک وملت اور دین ومذہب کے لیے کوئی بھی تعمیری تحریک ہو، اخلاقی اور سماجی طور پر بنی نوع انسان کی بہتری اور بھلائی کے لیے کوئی بھی پروگرام ہو، ہمارا ادیب ہر جگہ اپنی انفرادیت کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا کیونکہ ادیب اور تخلیق کار قوموں اور ملکوں کی پہچان ہوا کرتے ہیں اور اس نظام کے جس کے وہ داعی ہوتے ہیں، مکمل نمائندہ ہوتے ہیں اور پھر ہمارا تخلیق کار جو اپنے بارے میں خود یہ کہتا ہے کہ:

ہم صبح پرستوں کی یہ رِیت پرانی ہے
ہاتھوں میں قلم رکھنا، یا ہاتھ قلم رکھنا

ان آشفتہ سروں اور دیوانوں نے کیا نہیں کیا، تحریکِ پاکستان سے لے کر اب تک یہ لوگ اس سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو مجدد الف ثانیؒ سے ہوتا ہوا حضرت علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظم تک پہنچا۔ اگرچہ اس سفر میں کچھ رکاوٹیں آئیں، کچھ اپنی اور کچھ غیروں کی بنائی ہوئی دیواروں نے ہمارا راستہ روکا مگر ہم نے ایک بہادر قوم کی طرح ہر قسم کے مشکل حالات کا سامنا کیا۔ ہمارے ادیب کبھی بھی مایوس اور نا اُمید نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اپنی قوم کو درسِ وفا دیتے رہے۔

ملک بننے کے بعد اس کے استحکام اور آزادی کو قائم رکھنے کے حوالے سے بھی ہمارے دانشوروں نے اپنا رول بڑی جرأت اور بے باکی سے ادا کیا بلکہ:

مٹی کی محبت میں ان آشفتہ سروں نے
وہ قرض اُتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

جب بھی ملک وقوم کو قربانیوں کی ضرورت پڑی، ہمارے تخلیق کاروں نے تن من دھن کی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ سرحدوں پر جب بھی دشمن نے للکارا، ہمارے اہلِ قلم اور فن کاروں نے اپنی بہادر افواج کے شانہ بشانہ دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب بھی ان کو آواز دی ان لوگوں نے ہر لمحے لبیک کہا۔ ۱۹۴۷ء کے جان لیوا واقعات ہوں، ۱۹۶۵ء کا معرکہ ہو یا ۱۹۷۱ء کے دل سوز سانحات ہوں، آمریت کے اندھیرے ہوں یا جمہوریت کی صبحیں، ہمارے تخلیق کاروں نے سارے لمحے اپنی تخلیقات میں محفوظ کر لیے، اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ یہاں ایک نسل ایسی بھی ابھری جن کے یہاں گلے شکوے اور شکایتیں عام تھیں اور وہ سب بجا بھی تھیں۔ یہ تخلیق کار اور ادیب ملک وقوم کے خلاف نہیں تھے، ریاست کے خلاف ان کے یہاں بغاوت نہیں ملتی بلکہ وہ طرزِ حکومت اور اربابِ اختیار لوگوں کے خلاف ایک آواز تھی:

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

ایسے اشعار انھی دنوں کی یاد دلاتے ہیں۔ اس سے تھوڑا آگے آئیں تو آمریت کے اندھیروں میں پلنے والی نئی نسل کے تخلیق کاروں کے ہاں استعارے، تشبیہات اور تمثیلات کے پردے میں ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو کہ سرِ عام نہیں کہی جا سکتی تھیں۔ ان حالات میں بھی ملک وقوم کے لیے دعاؤں اور نیک جذبات سے بھری ہوئی شاعری بھی ملتی ہے۔ جب کہ بار بار مارشل لاء لگنے پر اس طرح کے نعرے بھی بلند ہوئے:

پاکستان کا مطلب کیا مارشل لا، مارشل لا

ہمارے لیڈروں نے عوام کو مختلف نعرے دیے، کبھی اس قوم کو مذہب کے حوالے سے لوٹا گیا اور کبھی روٹی، کپڑا اور مکان کے حیلے سے، کبھی اس ملک کے در و بام روشن کرنے کے لیے قوم سے دولت مانگ کر اپنے گھروں اور محلوں کو سجایا گیا اور غریبوں کے مقدر میں وہی اندھیری رات کا غم اور غموں کی پرچھائیاں جس کا عکس علامہ اقبال کا یہ شعر ہے:

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
اور ہم کو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

مذہب، سیاست، ملک، ان تین لفظوں کو قوم کی نظروں سے گرانے کی بہت کوشش کی گئی مگر ہمارے اہلِ درد اور اہلِ فکر و نظر تخلیق کاروں نے ہمیشہ اپنی قوم کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اس فکر سے وابستہ رکھا اور اس خدائے وحدہٗ لاشریک سے اس ملک و قوم اور اس ملک کی سرحدوں کی خیر مانگتے رہے۔ میرے فوجی جواں جراتوں کے نشاں، کا نعرہ بھی ہمیں اس محبت اور پیار کی یاد دلاتا ہے کہ جو کہ ہمیں اپنے فوجیوں سے ہے۔ جو ہمارے ملک کی سرحدوں کی حفاظتوں کے امین ہیں۔ ہمیں ایک الگ وطن عطا کرنے والا، اس وطن کی محبت کا شعور دینے والا وہی ہے جس نے الگ وطن حاصل کرنے کے لیے ہمیں جذبہ، ہمت اور علم عطا کیا۔ ہمارے لیے یہ ضروری تھا کہ ہماری نظریں ہر پل اسی لامکاں کے مکین کی طرف رہیں جس نے ہمیں غلامی کے اندھیروں سے نکال کر آزادی کی نعمت عطا کی۔ ہمارے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ وطنِ عزیز کی آزادی کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کے استحکام کے لیے نئی نسل کو ان مشکلوں اور دکھوں سے بھی آشنا رکھا جائے کہ جن آگ کے دریاؤں سے گزر کر ہم نے یہ وطن حاصل کیا ہے۔ یہ ہم سب کا فرض تھا، یہ ہمارے تخلیق کاروں کا فرض تھا۔ آیئے ہم ادب کے تاریخی جھروکوں سے جھانک کر دیکھتے ہیں کہ ہمارے ادیب نے کہاں تک اپنے فرض کو نبھایا۔ اس حوالے سے ہم اُردو حمدیہ ادب کا مطالعہ کر کے مناجات کے رنگ میں پاکستان کے حوالے سے جو اشعار ملتے ہیں، اس کا مختصر سا جائزہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

حق کا جمال ارض و سما پر محیط ہے
نوعِ بشر کو اس نے شعورِ وطن دیا

خلیق قریشی

اللہ ارضِ پاک میں ہر روز عید ہو
آغازِ عیدِ نو کا ہو ہر اختتام عید

اے آر چنگیز

ان اشعار میں شاعر زمین و آسمان کے مالک سے اپنے وطنِ عزیز کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مانگتا نظر آتا ہے یا جو کچھ عطا ہوا ہے اس کو صدقہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

کہتا دکھائی دیتا ہے۔ ہماری حمد ونعت میں پاکستانیت کے حوالے سے یہ ایک بڑا موضوع ہے مگر ہم اپنی بات میں آزادی، نعمتِ آزادی کا شکر، آزادی کے قائم ودائم رہنے کی دعائیں، سرحدوں کے سلامت رہنے کی التجائیں، استحکامِ پاکستان کے لیے آسمانوں کی طرف ہاتھ کھڑے کر کے تخلیق کاروں کی نظروں کے سوالوں اور اس ملک کے باسیوں کے لیے دھڑکتے دلوں کی آواز کو اپنے مضمون کا حصہ بنائیں گے۔ مسلمانوں کے تصورِ آزادی اور ان کے دل کی آواز کو سمجھنے کے لیے اقبال کا پیغام کافی ہے کیونکہ علامہ اقبال ہمارے نمائندہ قومی شاعر ہیں۔ انھوں نے جو آزادی کا نظریہ دیا ہے، اس نظریے کی روشنی ابھی نظر نہیں آئی اور ہمارا تخلیق کار جس آزادی کی تڑپ اپنے دل میں رکھتا ہے اور جس منزل کا متلاشی ہے، وہ دعائیں جو اس کے دل سے نکلتی ہیں، اس کو اثر تو ضرور ہوگا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا جو نعرہ بلند ہوا تھا، اس نظام کو لاگو کرنے کا دور ابھی تک ہم اپنی شاعری میں محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اس خوب صورت اور مساواتی نظام کو جس میں ہم ہر کسی کو خوشحال اور محفوظ دیکھ رہے ہوں، وہ استحصالی طبقہ کے ذریعے سے لاگو نہیں ہوسکتا۔ ایسے لوگ جنھوں نے ملک کو حاصل کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی تھی اور گھر بار لٹائے تھے، اسی مزاج اور اس جذبہ سے سرشار لوگ جب آگے بڑھیں گے تو منزل نصیب ہوگی:

یہ شہر اذانوں کا رہے حدِ ابد تک
اونچا ہی رہے نام ترا میرے وطن میں

گل ہائے توحید کی خوشبو ہر اک خالی دامن میں ہے
بن جائے طیبہ کی خوشبو میرے پاکستان کی خوشبو

نظر کس کی لگی ہے خطۂ کشمیر کو مولا!
خزاں کا رنگ کیوں شامل ہوا فصلِ بہاراں میں

سلیم اختر فارانی

ہماری جذباتی، مذہبی، اخلاقی اور زمینی وابستگی کشمیر سے اس حد تک ہے کہ ہم جب پاکستان کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی کشمیر کا ذکر ضرور کرتے ہیں کیونکہ کشمیر پاکستان کا ایک ایسا حصہ

ہے جو کبھی بھی تہذیبی ،ثقافتی اور مذہبی طور پر ہم سے الگ نہیں رہا۔ اس کے لیے دعائیں اور مناجات اسی طرح سنائی دیتی ہیں جس طرح پاکستان کے لیے۔ اس سے دو قدم آگے بڑھ کر دیکھیں تو عالمی ادب میں جو درد پاکستانی مسلمان لکھاری کی تحریر میں ملتا ہے، وہ شاید کسی اور ملک کے لکھاری کے یہاں نظر نہیں آئے گا۔ فلسطین کی تحریک ہو یا افغانستان کی ،روس کی آزاد ریاستوں کی تحریک آزادی ہو یا بوسنیا کی۔ اس سے تھوڑا پہلے تحریکِ پاکستان ہو یا تحریکِ خلافت۔ ہندوستان کا مسلمان صفِ اول میں کھڑا واضح نظر آئے گا۔ یہ اس کی حمد ونعت سے وابستگی ایک خدا اور ایک رسول کو ماننے کے پیار کی وجہ سے ہے۔

ہماری حمدیہ شاعری میں شکر اور دعا کا رنگ کم وبیش برابر ہی ملتا ہے۔ کئی تخلیق کاروں کے ہاں اپنی حمد ونعت کے علاوہ غزل میں بھی اس الگ وطن پاکستان کے تخلیق ہونے پر خدائے واحد کا شکر ادا کیا گیا ہے مگر یہ بات غزل میں بہت کم ہے مگر حمد میں یہ رنگ نمایاں ہے۔ جن شاعروں کے ہاں اس وطن کے حاصل ہونے پر خدائے واحد کا شکر ہے، وہ ساتھ ہی اربابِ اختیار کا دھیان اس طرف دلاتے ہیں جو کہ اسے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا تھا اور اب ہماری دعاؤں میں زیادہ تر اس کے آباد خوشحال قائم دائم ،ترقی کرنے اور دنیا میں اونچا مقام حاصل کرنے کے موضوعات ہیں جن میں تخلیق کاروں کا خلوص، درد، جذبات، احساسات اور محبت واضح دکھائی دیتی ہے۔

دعا ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں ہم اپنی بے بسی، لاچاری اور انکساری وعاجزی کا اظہار کر کے اپنا سب کچھ اس مالک ومختار اور خالق ورازق کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے جتنے بھی خوب صورت استعارے جیسے چمن، گلزار، بدن، دل، جسم، گلستان، نشیمن، دیارِ عشق وغیرہ آسکتے تھے، ہمارے تخلیق کار اپنے فکر وفن کے مطابق لائے ہیں۔ بعض تخلیق کاروں نے تو پوری پوری دعائیہ حمد اور مناجات پاکستان کے حوالے سے لکھی ہیں۔ اس سوچ کا سفر نئی نسل کے سینوں اور دلوں کی دھڑکنوں تک ضرور پہنچنا چاہیے کیونکہ کسی ملک کا مستقبل نئی نسل کی فکری اور تعمیری سوچوں سے ہی منسلک ہوا کرتا ہے۔ اس لیے دعاؤں میں ہم جہاں مولا پاک سے وطنِ عزیز کی خوشحالی مانگتے ہیں، نئی نسل کی فکر اور اس کی تعمیری سوچوں کی بھی خیر مانگنا چاہیے۔

حمد سے بڑھ کر اور کوئی صنف اس قابل نہیں کہ وطنِ عزیز میں آزادی کی نعمت اور اس کے استحکام کی سوچ کو عام کر سکے کیونکہ جو پاکیزگی اور سچائی جذبات واحساسات کی طہارت اور فکر کی جولانی حمد میں سما سکتی ہے، غزل ونظم اس کی جگہ نہیں لے سکتیں:

کر دور سبھی اس کی بلائیں مرے مولا!
اس دیس پر آفات نہ آئیں مرے مولا!
اس طور وطن پہ ہو تری چشمِ عنایت
آنکھیں نہ کبھی اشک بہائیں مرے مولا

سجاد مرزا

خدا نے دی جو ہمیں صرف اپنے دیں کے لیے
وہ کون سی ہے زمیں سربسر ہے پاکستان
انھیں مٹائے گی آخر کو عمرِ خضر اس کی
جو سوچتے تھے کہ بس لمحہ بھر ہے پاکستان

سید نردوش ترابی

خزاں دیدہ ہے گلزارِ محبت ملک وملت کا
الٰہی فضل سے اپنے اسے رشکِ جہاں کردے
سفینہ میری ملت کا پھنسا ہے موجِ طوفاں میں
سمندر کو سکوں دے دے ہوا کو بادباں کردے

جمیل عظیم آبادی

کفر آلودہ فضا میں سانس لینا ہے محال
پھر سے اس گم کردہ رہ کو صاحبِ ایمان کر

صبیح رحمانی

اپنی دھرتی کے لیے چاند ستارے مانگوں
میری خواہش ہے کہ میں سارے کے سارے مانگوں
میرے بس میں ہی نہیں میری دعائیں اختر
ورنہ بارود کے بدلے میں غبارے مانگوں

گلِ نوخیز اختر

تری جنت کا کیا کہنا وہاں تسنیم وکوثر ہیں
تو چاہے تو یہاں بھی دودھ کی نہریں رواں کردے

صغیر احمد حقی

مختلف فکری مزاج رکھنے والے شاعروں کی حمد اپنے جذبوں کی شدت اور دعاؤں کی پاکیزگی سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں جیسے جیسے جبر کے سائے بڑھتے چلے گئے، وطن سے محبت کرنے والوں کی محبت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قطع نظر اس بات کے کہ کون آمر تھا اور کون عوامی قائد، کون جابر تھا اور کون غاصب، ہماری مزاحمتی شاعری اپنے اپنے دور کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ جب وطنِ عزیز کی محبت میں بات کرنے کو جرم کہا جانے لگا اور رات کو دن کہنے کا حکم ملا تو حساس لوگوں کے یہاں عشق ومحبت اور جذب وخلوص کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مختلف استعاروں اور تشبیہوں کے ساتھ شاعری کو نکھار عطا کرنے لگ گیا۔ اپنی ذات، آشیانہ، گھر، دل، دریچہ، جان جیسے استعارے وطنِ عزیز کی محبت میں تخلیق ہوئے۔ دعاؤں اور تمناؤں کے فنی رنگ بدلے، لفظوں نے اپنا چولا بدلا، اس سے جہاں شاعری کو نیا فنی رنگ اور فکری وسعت ملی، وہاں عوام کی سوچوں میں بھی تبدیلی کے رنگ اُبھرے۔ ایسے رنگوں میں حبیب جالب کی آواز ایک مکمل پیار کرنے والے سچے کھرے انسان کی آواز تھی جو کسی صورت بھی زہرِ ہلاہل کو قند اور صرصر کو صبا کہنے پر تیار نہ تھا۔ وہ بھی جب حمد لکھنے پر آتا ہے تو وہاں بھی وہ اپنا الگ انفرادی تشخص قائم رکھتا ہے۔ اپنی توانا آواز میں اپنے مولا کریم سے وطنِ عزیز کی حالت سدھارنے کی دعائیں کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں کچھ ایسی آوازیں اور بھی آن ملتی ہیں جس سے ایک کارواں بنتا چلا جاتا ہے۔ یہ کارواں مکمل تحریک کا روپ دھار لیتا ہے اور سچائی کا دوسرا نام بن جاتا ہے۔ جن دوسرے لوگوں کے ہاں جذبوں اور لفظوں میں ایسی شدت نہیں، ان کے خلوص ومحبت اور دعاؤں، تمناؤں کی سچائی میں کسی طرح بھی شک نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ بھی اپنے مکتبِ فکر کے نمائندہ شاعر تھے۔ انھوں نے روایت اور رومانوی فضا کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے مخصوص الفاظ اور تخلیقی استعاروں کے ذریعے وہی بات کی جو کہ جالب کہہ رہا تھا۔ کچھ تخلیق کار ایسے بھی ہیں جن کے یہاں اپنے آپ کو سنوارنے اور اپنے اعمال دیکھنے کی باتیں ملتی ہیں۔ وطنِ عزیز کے حوالے سے وہ یہی حوالہ دیتے ہیں کہ جیسے ہمارے اعمال ہوتے ہیں۔ ہم پر ایسے ہی حکمران مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیں اس زندہ وتابندہ ماحول میں لے جاتے ہیں جہاں قرآنی اصولوں کے مطابق ''قانون سازی'' ہوتی نظر آتی ہے۔ ایسے لوگوں کے قلم سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، سلطان ایوبی، طارق بن زیاد وغیرہ کے ناموں کی بازگشت واضح سنائی دیتی ہے جو کہ ہمیں ہمارے ماضی سے سبق حاصل کرنے اور ان ''منارہ نور'' لوگوں سے روشنی حاصل کرنے کا درس دیتے ہیں۔

اُردو حمد یہ شاعری میں یہ الگ رنگ ہے جو کہ بہت کم دکھائی دیتا ہے۔مگر میرے خیال میں یہ دوسرے نظریۂ محبت سے زیادہ اثر پذیر اور متاثر کرنے والا ہے۔اس کے لیے جہاں ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر اس ماحول اور معاشرے سے مکمل آشنائی حاصل ہوتی ہے، وہاں اپنی ذات کو بھی ان کے نقش پا کا مسافر بنانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے شاعر کے شعر میں وزن اور تاثیر پیدا ہوتی ہے:

اپنے بندوں کی کر مدد یارب — ظلم کی ہوگئی ہے حد یارب
توڑ دے سامراج کا یہ غرور — کر اس آئی بلا کو رد یارب
نیک لوگوں پہ حکمراں بن کر — آئے ہیں کیسے کیسے بد یارب
آج بھی اقتدار میں ہیں وہی — کوئی جن کا نہیں ہے قد یارب
کیوں مسلط ہیں آسماں کے تلے — ہم پہ صدیوں سے چند صد یارب

حبیب جالب

میں شجر ہوں شہرِ ملال کا مری ٹہنیوں کو نہال کر
کبھی بھیج اپنی نوازشیں کسی جامِ ابر میں ڈال کر
گھنے جنگلوں کے حصار میں مرا عشق بھی مری عقل بھی
رہِ شہرِ امن دکھا مجھے کڑی گردشوں سے نکال کر
ہرے موسموں کے نقوش تو میری لوحِ ذہن سے مٹ چلے
یہ جو زرد رُت کے ہیں سلسلے اب انھیں بھی خواب و خیال کر

محمد عاشق رضا

مٹا صوبائیت کی زشت خوئی — ہر اک اک دوسرے پر مہرباں ہو
مرے اہلِ وطن پھولیں پھلیں سب — نہ حائل راہ میں سنگِ گراں ہو
بہاریں ہی رہیں اس میں ہمیشہ — یہ پاکستان ایسا گلستاں ہو

ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی

کاش ہم پھر سے نیک ہو جائیں — سب مسلمان ایک ہو جائیں
خطۂ پاک بھی عطا ہے تری — اس کا مقصود بھی رضا ہے تری
مصطفائی نظام ہو اس کا — ساری دنیا میں نام ہو اس کا

تا قیامت رہے وطن میرا
یہی سرمایہ میرا دھن میرا
میرے بچوں کو ذی حشم کرنا
اُن کے دل طیب وحرم کرنا
مظفر وارثی

محبت کا سونا اگلتی رہے
یہ ساری زمیں پھول بنتی رہے
شوکت زریں چغتائی

بخشی پاکیزگی خیالوں کو
اور کردار کو شرافت دی
نام جس کا ہے ارضِ پاکستان
ایسی اک بے مثال جنت دی
ہے ترا فضلِ بیکراں ہم پر
ہم کو تاریخ میں فضیلت دی
عاصی کرنالی

چلے آرہے ہیں حوادث کے دھارے
پکارے تو کوئی کسے اب پکارے
تعلق ترے در کا چھوڑا نہ ہم نے
مسلسل کیے حسرتوں نے اشارے
بجھائے نہ ان کو اگر ابرِ رحمت
جلا دیں ہمیں سرکشوں کے شرارے
پروفیسر اسرار احمد سہاوری

آزادی کی نعمت کی قدر کو پہچاننے کے لیے، اس کے استحکام اور اس کو قائم ودائم رکھنے کے لیے اسے قومی اور عظیم بنانے کے لیے دعاؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اردو شاعری میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے کیونکہ یہ ملک اور آزادی بھی دعاؤں ہی کی عطا ہے۔ ان دعاؤں اور مناجات میں ایک بہت ہی پیارا عمل بزرگوں اور نئی نسل کی دعاؤں کا ہے۔

حمدیہ شاعری میں نوجوان تخلیق کار تحریک پاکستان کے رہنماؤں جیسی آرزو کرتا نظر آتا ہے۔ جن کی سچائی، دیانت داری، دلیری، راست بازی، بے باکی اور اصول پسندی کی وجہ سے ہندوؤں اور انگریزوں کو ان کے مطالبات کے آگے جھکنا پڑا۔ نئی نسل اپنے لیے بھی وہی جذبہ اور قوتِ عمل مانگتی ہے جو کہ اس وقت اس قوم کو عطا ہوا تھا۔ اس طرح ہمارے پرانے تخلیق کار وہ لوگ کہ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس دیس کی بنیادیں اٹھتی دیکھیں۔ ان کو جہاں اپنی قوم سے گلہ ہے، قوم کے نوجوانوں سے شکایت ہے، وہاں وہ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی، کے بھی قائل ہیں۔ وہ مایوس اور ناامید نہیں، ان کے یہاں اس نئی نسل کے نوجوانوں کے لیے اسی فکر، جذبہ، عمل اور جدوجہد کی دعائیں نکلتی ہیں جو کہ انھوں نے ان لمحات کے دوران دیکھی تھیں

جب کہ اس نسل کے پاس اتنے ذرائع اور وسائل بھی نہیں تھے اور وہ لوگ جن کا خیال تھا کہ یہ ملک دو دن نہیں چلے گا، یہ قوم زندہ نہیں رہ سکے گی مگر جس جذبے، عمل اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے سہارے اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس قوم نے دنیا میں بے یار و مددگار اور بے وسائل ہو کر بھی اس ملک کو سنبھالا، آزادی کو قائم رکھا، آج ہمیں اس جذبے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگ اپنے بچوں، اپنے پھولوں، کلیوں اور غنچوں کو خوشبوؤں، زرخیز زمینوں اور بادِ صبا کے ملنے کے ساتھ بادِ صرصر سے بچنے، جھلس دینے والی لو سے محفوظ رہنے اور اس جیسے مختلف استعاروں سے بڑے خلوص اور محبت سے دعائیں دیتے ہیں بلکہ نئی نسل کے زندہ رہنے کی وجہ ہی یہی ہے۔ ہماری قوم میں خاص کر کے نوجوانوں میں جو کچھ جذبۂ عمل اور تعمیری و تخلیقی جذبہ اور استقامت دکھائی دیتی ہے، وہ انھی دعاؤں کا ماحصل ہے۔ یہی نیم شبی کی دعائیں ہمارے سروں پر ایک ایسا جالا بُن رہی ہیں جو کہ ہماری طرف بڑھنے والی ہر بلا کو اپنے حصار میں رکھے ہوئے ہے۔

بزرگوں کا نئی نسل کو دعائیں دینا دراصل اپنے آپ کو ہی دعائیں دینا ہے کیونکہ یہ جہاں فطرت کے سفر کا ارتقا ہے، وہاں اس فکری سفر کا بھی ارتقائی عمل ہے جو کہ اس وقت شروع ہوا تھا جب اس خطے میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا۔ دعاؤں کا یہ تبادلہ، ایک دوسرے کو زندگی، سلامتی اور قوتِ عمل کو دعائیں دینا، اپنے ملک و قوم سے محبت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ دونوں نسلوں میں مشترک قدر پاکستان ہے، دینِ اسلام کے بعد ہماری اخوت اور بھائی چارے کی فضا کو بڑھانے اور پروان چڑھانے والی قدر پاکستانیت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہو سکتی۔ علامہ اقبال کے فکری سفر کی منزل یہی ہے: ''کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک''

اپنے معاشرے کی بدامنی، صوبائیت کے زہر، فرقہ وارانہ ذہنیت، گھٹیا پن، لسانی بنیادوں پر اٹھنے والی تحریکوں کا زور علاقائی فیڈریشنوں کے قیام کا تصور اگر ہم ختم کر سکتے ہیں تو وہ ''پاکستانیت'' کی فکر کو عام کرنے سے کر سکتے ہیں اور اس کے لیے ہر چھوٹے اور نئی نسل کے نوجوان ادیب و تخلیق کار کو اپنے آپ کو اُن حالات میں لے جانے کی ضرورت ہے جن میں وہ اپنی روح میں ان لمحات کو اتار سکے جب یہ ملک بن رہا تھا جب بن چکا تھا، جب ۱۹۶۵ء کا دور تھا اور پھر ۷۱ء کا لمحہ جاں سوز تھا۔ اس وقت پاکستانی نسل کو ایسی بہت سی زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے جو کہ اسے اس کے وقار، خودی کا بھی احساس دلائیں اور بلند نگاہی کا بھی درس دیں۔ انھی دعاؤں کا درد ہمیں اس قابل بنا سکتا ہے کہ ہم دشمن کے ہر وار کا جواب خواہ وہ تہذیبی سطح پر ہو یا معاشرتی سطح پر،

سیاسی سطح پر ہو یا سرحدوں کی سلامتی کی سطح پر ہو، اچھے اور مضبوط طریقے سے دے سکتے ہیں۔اس حوالے سے بڑی خوب صورت شاعری تخلیق ہوئی ہے، حمدیہ شاعری سے ہٹ کر غزل میں بھی بال وپر، اڑان قوت مرے بچوں کی خیر وغیرہ کی بازگشت سنائی دیتی ہے مگر جس درد، دلکشی اور خلوص کے ساتھ یہ دعائیں، صدائیں اور التجائیں حمدیہ شاعری میں ملتی ہیں اور اس حوالے سے اپنی ایک الگ پہچان بنا چکی ہیں، غزل میں خال خال ہیں۔

پاکستان کے چاروں صوبوں میں کسی بھی تخلیق کار کے یہاں کوئی صوبائی تعصب اور برتری اور احساس نظر نہیں آتا بلکہ ہر کوئی اپنے دیس میں وطن دھرتی اور ملک کے ہی گن گا تا دکھائی دیتا ہے۔اُردو ہماری قومی زبان، ہماری پہچان اور سارے ملک میں رابطے کی زبان ہے۔اس میں تو مجموعی تاثر پاکستانیت کا ہی ابھرتا ہے بلکہ ہمارے شاعروں نے تو اپنی جان اور اپنا دل پاکستان کو کہا ہے۔اپنی سانسوں کو اسی سے وابستہ کیا ہے، اس فکر اور نظریے کو اس طرح خوب صورت ترکیبوں میں لکھا ہے کہ ان دونوں ترکیبوں کو الگ الگ سطح پر محسوس کرنا مشکل ہو جاتا ہے:

واسطہ تجھ کو کملی والے کا راحتوں کی بہار دے گھر گھر

اخلاق عاطف

میرے گھر بار پہ ہو نظرِ کرم دور ہو جائیں سارے رنج والم
میری اولاد نیک وصالح ہو سرِ میدان علم فاتح ہو
مسلمِ ناتواں کی خیر رہے کشورِ پاک خوب پھولے پھلے

اسلم خیال

بدل کر جو رکھ دے مرے دل کا موسم کوئی تازہ ایسی ہوا مانگتی ہوں
چمن اپنا پھر سے مہکنے لگے میں تجھ سے بس ایسی فضا مانگتی ہوں
محبت کے جھرنوں سے گاگر بھروں میں سکوں کی دعائیں سدا مانگتی ہوں

عطیہ مثال

پاکستان کے دولخت ہونے کا درد ان لوگوں کی شاعری کا آج بھی اہم موضوع ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس سانحے کو دیکھا جبکہ نئی نسل کا تخلیق کار بھی اس کرب سے نا آشنا نہیں ہے۔آج بھی ''مشرق ومغرب'' کے فاصلوں کو کم کرنے کے لیے خداذوالجلال سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔اس حوالے سے کہیں دو بھائیوں کے ملنے کا اشارہ ہے تو کہیں دو ٹوٹے دلوں کو

جوڑنے کا، کہیں دو پارا ہونے کا ذکر ہے تو کہیں بچھڑنے کے لمحات کا درد ہے۔اس درد اور کرب کا آج بھی شاعری میں زندہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے تخلیق کار کے ذہن میں ابھی وہ زخمِ جدائی ہرا ہے اور یہ سب وطن سے محبت ہی کا ثبوت ہے۔ وطنِ عزیز کو نقصان پہنچانے والی لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تحریکوں کے خلاف مزاحمت بھی دیس سے محبت ہی کی وجہ سے ہے۔ اس حوالے سے مرزائی غلام احمد قادیانی کی طرف سے ہونے والے پروپیگنڈہ کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔اس میں مذہبی جوش کے ساتھ وطنِ عزیز کی محبت کا عنصر غالب ہے کیونکہ اس پروپیگنڈا سے جہاں لوگوں کو مذہب کی حقیقت اور اصل سے دور کیا جاتا ہے، وہاں ''دوقومی نظریے'' کے بارے میں بھی غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ہر اس تحریک اور دہشت گردی کے خلاف جس کا مقصد وطنِ عزیز کی سرحدوں کو کمزور کرنا، لوگوں کو دوقومی نظریے سے متنفر کرنا، مذہب سے دور کرنا ہو، مسلمانوں کے دلوں سے روحِ محمدی ﷺ نکالنے کے مکروہ عزائم ہوں یا ایسے حالات پیدا کر کے لوگوں کو ریاست کے خلاف اکسانے کے عمل ہوں، پر عمل کے خلاف ہمارے تخلیق کار کا ردِعمل بڑا جاندار اور مضبوط رہا ہے۔اگر ہم اس مخصوص حوالے سے اپنی شاعری کا مطالعہ کریں تو ہمیں کافی زیادہ مقدار میں مواد ملتا ہے جس میں وطنِ عزیز کی محبت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ایسے خس وخاشاک کو بہائے لیے جاتی ہے اور نوجوان نسل کو بامقصد تفریح کے ساتھ فکری طور پر ایسی راہوں سے بھی ہم کنار کرتی ہے جہاں عزم وہمت کے دیئے اپنے خون سے جلا کر آنے والوں کے لیے روشنیاں بکھیرنی پڑتی ہیں۔اس دور میں یا اس دور کے حوالے سے ان یادوں اور لمحات کے حوالے سے جب بھی شاعری ہوئی، تخلیقی سطح پر نئے نئے استعارے اور علامتیں سامنے آئیں جن کا فکری کینوس بہت وسیع تھا اور فنی طور پر شاعری میں بھی خوب صورتی در آئی تھی۔اندھیرے، طوفان، بادوباراں، آندھیاں، اندھے چراغ، شبِ سیاہ، زنجیروں کی آوازیں، بیڑیوں کی جھنکار، دو دلوں کا جدا ہونا، بازو ٹوٹنا، بھائی کا بچھڑنا، سورج سے خالی دن وغیرہ جیسے الفاظ اور ان کا فنی استعمال اسی دور کی یاد دلاتا ہے۔وکٹوریہ کے بنائے ہوئے نبی، جس کے حواریوں نے نظامِ گلستان کو خراب کرنے کی بہت کوششیں کیں مگر مسلمانوں کی ہمتِ ایمانی، جذبے اور ''روحِ محمدی ﷺ'' کے بند میں ہونے کے باعث ان کے ہزار جتن بھی کسی کام نہ آسکے:

الٰہی میرے دامن کو تو اپنے فضل سے بھر دے
تری محتاج ہوں تو اپنی قدرت سے غنی کر دے

الٰہی پھول میرے باغ کے محرومِ خوشبو ہیں
بنیں موتی، خوشی کے جو مری آنکھوں میں آنسو ہیں

بیگم احمد سعید خان سعید

اس آب و ہوا میں نہ خودی ہے نہ خدا ہے
اس خاک کو سوزِ دلِ خود دار عطا کر
ہم حق کے پرستار ہیں دنیا کو خبر ہے
حکام ہمیں حق کے پرستار عطا کر
کچھ اہلِ جنوں صاحبِ کردار ہیں درکار
کچھ اہلِ دلِ صاحبِ کردار عطا کر

احسان دانش

جیسے کسی کو یاد نہیں بندگی تری انسان بھول بیٹھا عبادت کا راستہ
مصروف سارے لوگ ریاکاریوں میں ہیں یارب! انہیں دکھا دے ہدایت کا راستہ

یامین انصاری

ہمارے شاعر حضرات اپنے وطن کے سیاست دانوں کے ظرف اور ضمیر سے خوب واقف ہیں اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کسی تخلیق کار نے اپنی مناجات میں براہِ راست کسی سیاست دان کا نام لے کر ان لوگوں کا ذکر کیا ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جو اس ملک پر قابض رہے اور کبھی اسلام، کبھی روزگار، کبھی غریبوں کی حالت کو سنوارنے کا منصوبہ لے کر آتے رہے۔ ہماری حمدیہ دعا، مناجات اس حوالے سے اپنے اندر ایک جذبہ اور سوز رکھتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلف صالحین کے اس دور کے طالب ہیں جس میں مسلمان جوان اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلتے تھے اور مائیں شہادت کی دعائیں کیا کرتی تھیں۔ ہماری دعا میں ایک درد بھی ہے اور ہمارا تاریخی پس منظر بھی، ان میں ایک سبق بھی ہے اور پیغام بھی۔ ہمارے یہ حمدیہ دعائیں جہاں پڑھنے والے کو حوصلہ دیتی ہیں، وہاں انھیں ایک پیغام بھی دیتی ہیں۔ اب انھی معروضات کی روشنی

میں کچھ اشعار دیکھیں:

تنِ بے جان ملت میں الٰہی جان پیدا کر
مسلمانوں میں پھر مذہب کی اصلی شان پیدا کر
مٹانے کے لیے فرعونیوں کے سحرِ باطل کو
عصائے موسوی سا اب کوئی لعبان پیدا کر

عبدالمجید صدیقی

یارب مرے چمن کی بہاریں جواں رہیں
ہر سمت اس میں نور کے چشمے رواں رہیں
کہسار سربلند ہوں، میدان ارجمند
گلریز وعطر بیز سدا وادیاں رہیں
اس ارضِ پاک پر کوئی چہرہ نہ ہو اداس
اہلِ شہر کے ہونٹ تبسم فشاں رہیں
کھلتے رہیں دلوں میں خلوص و وفا کے پھول
شاعر مرے وطن کے سدا نغمہ خواں رہیں

حفیظ تائب

میری زمین تیرے اشاروں کی خیر ہو
روشن چمکتے چاند ستاروں کی خیر ہو
تازہ رُتیں یونہی ترے در پر جھکی رہیں
تیرے سمندروں کے کناروں کی خیر ہو

عرفان صادق

اے خدائے جزوکل نصرت کا پھر پیغام دے
اس وطن، اس قوم اس ملت کو استحکام دے
یا خدا! تجھ کو رسولِ ہاشمیؐ کا واسطہ
حیدر و زہرا و سبطینِ نبی کا واسطہ

امتِ اسلامیہ کو یک دل و یک جان کر
ہر مسلماں کے عمل کو تابعِ قرآن کر

امید فاضلی

قوم آسودۂ منزل ہو، ملے دل کو سکوں
تیرگی دور ہو، رستے میں جلے شمعِ یقیں
مشکلیں ختم ہوں دنیا میں سرافراز رہیں
تیرے محبوب کے خادم، ترے قرآں کے امیں

شہاب دہلوی

میں نے کوشش کی ہے کہ میں مکمل طور پر حمد ونعت اور مناجات کی کتابوں ہی کو مضمون کا حوالہ بناؤں، سو اس کوشش میں جن کتابوں تک میری رسائی ہوئی، میں نے اُن سے استفادہ کر کے مضمون کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وطن سے میری محبت اور حمد ونعت سے عقیدت اس صنف میں نئے نئے پہلو جو کہ قومی تعمیر وترقی میں کارآمد ثابت ہوں، مجھے تلاش کرنے پر ابھارتی رہتی ہے اور میں اس جذبے کی عطا پر اپنے مولا کریم کا شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسے کم علم، بے کس اور لاچار انسان کو ایسا عظیم اور بلند جذبہ عطا کیا ہے۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ اور ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ اگر میں اس ایک عطا کا بھی حق ادا کرنا چاہوں تو اس زندگی میں تو کیا، ایسی کئی زندگیوں میں بھی نہیں کر سکتا۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں کئی اشعار کا حوالہ بخوفِ طوالت حذف کیا گیا ہے۔

کتابیات

مفیض، حمد نمبر، از محمد اقبال نجمی۔ انتخابِ حمد از غوث میاں۔ جہانِ حمد از طاہر سلطانی۔ خدائے محمد از گل بخشالوی۔ نغمہ توحید از ظفر صابری۔ حمد از درد اسعدی۔ رب العالمین از سجاد سخن۔ شوقِ نیاز از سجاد مرزا۔ ضیائے نعت رخشاں از سلیم اختر فارانی۔

نوٹ: ''خوشبوئے حمد'' میں ڈاکٹر صاحب نے مضمون ہذا میں کئی شعرا کے اشعار مضمون کی مناسبت سے درج کیے تھے، بخوفِ طوالت کچھ ہی کو شامل کیا جا رہا ہے۔)

اُردو حمد کی شعری روایت

صبیح رحمانی (کراچی)

ABSTRACT: Even if the concepts of Creator of Universe were divergent in human history, yet the poetry in Praise of Supreme power of universe remained the main theme in the theological writings of different languages and ages. The text reflected below sheds light on Poetry in Praise of Almighty Allah in order to show its literary significance. Qualitative richness in the sense of poetic expressions for praise poems of Almighty Allah has been emphasised in the article, besides quantitative vastness of the subject. An account of published matter of the theme in Urdu has also been given to show the efforts of poets and scholars for promotion of the genre.

حمد بھی نعت کی طرح ایک وسیع فکری تناظر کی حامل موضوعاتی صنفِ سخن ہے۔ ان دونوں ہی اصناف کے بارے میں ہمارے یہاں ایک طویل عرصے تک یہ غلط فہمی عوام وخواص دونوں کے ہاں پائی جاتی رہی کہ ان کا موضوعاتی دائرہ دیگر اصنافِ شعری کی نسبت خاصا محدود ہے، آزاد ذہن اور طبعِ رواں کے لیے ان میں تخلیقی اظہار کے امکانات قدرے کم ہیں اور جولانیِ فکر کی گنجائش تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس تأثر کو اس طرح قبول کرلیا گیا کہ جیسے یہ کسی ایسی مسلمہ سچائی اور امرِ واقعی کا اظہار ہے کہ جسے ہر ممکن تحقیق وتفتیش کے بعد فکری وتجربی صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے، اور وہ یہ کہ موضوعات کا جتنا وسیع دائرہ ان اصناف میں سمٹ آیا ہے، وہ کسی بھی طرح دوسری اصناف سے کم نہیں ہے۔ یہ بات قدرے تحمل سے اور علمی وادبی اظہار کے اسلوب کی متانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہی گئی ہے، ورنہ حمد ونعت کے ایک مستقل قاری کی حیثیت سے یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں اصناف میں جتنے اور جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، ذرا بتایئے کہ دوسری کون سی صنفِ سخن ان کی ہم سری کرتی ہے۔ اب جہاں تک بات ہے تخلیقی اظہار کے امکانات اور جولانیِ فکر کی تو بلاشبہ اور بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ یک موضوعیت کے باوجود حمد ونعت کا سرمایہ تخلیقی اظہار کی جس سطح اور فکر ونظر کی جس

بلندی کا حامل ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

یہ محض ایک دعویِ بے دلیل نہیں ہے، بلکہ اس رائے کا اظہار پوری ذمے داری سے کیا گیا ہے۔ اس لیے پہلے اس بیان کے حق میں دلیل ملاحظہ فرمائیے، اس کے بعد آگے بات چلے گی۔ دیکھیے حمد و نعت کے لیے کسی مخصوص ہیئت کی کوئی قید نہیں، بلکہ غزل، قصیدہ، نظم، رباعی، مثنوی، مخمس، مسدس، سانیٹ اور ہائیکو تک یہ کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے، بلکہ واقعتاً کہی جاتی رہی ہے۔ اب یہاں ایک لمحے کے لیے رک کر بس ایک سادہ سے سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ ایک صنفِ سخن جس میں بیان کیے جانے والے افکار و مضامین اور احساسات و کیفیات کو اتنی متنوع اور رنگارنگی ہیئتوں میں بیان کیا جارہا ہو، یہی نہیں، بلکہ اُس میں اظہار کرنے والے لوگ بھی مختلف الخیال، مختلف المزاج اور متنوع رجحانات رکھنے والے لوگ ہوں، کیا اس صنف کے موضوعات کا دائرہ محدود ہوسکتا ہے اور اس میں تخلیقی اظہار کے امکانات کم ہوسکتے ہیں؟ یہ اتنی سادہ اور سامنے کی بات ہے کہ اس پر ایک عام آدمی اور بالکل اوسط درجے کا ادب کا طالبِ علم بھی نفی میں جواب دے گا۔ اس لیے کہ وسعت اور گہرائی کے بغیر تو یہ تجربہ درحقیقت کسی ایک ہیئت اور اسلوب میں بھی ممکن نہیں کہ دیر تک فکر و نظر کی توجہ کا مرکز بنا رہے، چہ جائے کہ اس درجہ رنگارنگ ہیئتی تناظر میں — اور خیال رہے کہ یہ معاملہ صرف اردو شعر و ادب کا بھی نہیں ہے، بلکہ آپ فارسی اور عربی ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کیجیے تو وہاں بھی اس کا بین ثبوت ملے گا۔ سو، یہ ثابت ہوا کہ حمد و نعت کے بارے میں یہ تأثر سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اُردو زبان و ادب کا معاملہ تو یہ ہے کہ اس کے ابتدائی شعری منظرنامے پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ حمد ہمارے ادب و شعر کی قدیم ترین اصناف میں سے ہے۔ گجری اور دکنی ادب کے اوّلین مآخذ سامنے رکھتے ہوئے تو یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اُردو میں تخلیقی ادب کا آغاز ہی حمد گوئی سے ہوا ہے۔ اس لیے حمد کو اگر اُردو کی قدیم ترین یا اوّلین صنفِ سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ جس سماجی پس منظر میں اردو شعر و ادب نے فروغ پایا اور تہذیبی قدر کی حیثیت حاصل کی وہ کوئی یک رنگ معاشرہ نہیں، بلکہ مخلوط آبادی تھی۔ یک رنگ یا نمایاں اکثریت کے سماج میں تو یہ امکان ہوسکتا ہے کہ تخلیق کار عوامی جذبات کی تسکین کے موضوعات کو بہ وجوہ توجہ کا مرکز بنائیں، لیکن مخلوط سماج میں ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ اس معاشرے میں ادب و فن کی وہی ہیئتیں اور وہی موضوعات قابلِ قبول ہوتے اور

ترویج پاتے ہیں جو اُس کے اجتماعی شعور کو بالیدگی عطا کرتے ہیں اور جن میں اس کی اجتماعی روح کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اس لیے کہ یہ گونج درحقیقت اس کے داخلی مطالبے کو اظہار کی سطح پر لے کر آتی ہے۔ اردو کے قدیم ترین دور میں بھی حمدیہ کلام کا شعر و ادب میں نمایاں طور سے پایا جانا اس امر کا اظہار ہے کہ اس سماج میں ہیئتِ اجتماعی اپنی باطنی پکار اور اپنے گہرے داخلی احساس کو اپنے عہد کی تخلیقی فضا کا حصہ بنا رہی تھی۔

تاہم دیکھا جائے تو بات صرف اردو زبان و ادب کی بھی نہیں ہے، بلکہ دنیا کی اُن تمام تہذیبوں میں جہاں تصورِ الٰہ پایا جاتا ہے، وہاں بالخصوص شعری تخلیقی اظہار میں حمدیہ کلام ضرور اور وافر مقدار میں ملتا ہے۔ اس ضمن میں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں اور زبان و ادب کا مطالعہ بہت دل چسپ اور اہم حقائق منظرِ عام پر لاتا ہے۔ معروف و ممتاز محقق مرزا ابنِ حنیف مرحوم نے تحقیقی حوالوں کے ساتھ دنیا کے قدیم ترین ادب کے سلسلے میں متعدد کتابوں کی پوری ایک سیریز مرتب کی تھی۔ کتابوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تخلیقی ادب خصوصاً اصنافِ شعری کے جو اوّلین نقوش دنیا کے پرانے معاشروں اور قدیم ترین تہذیبوں کے حوالے سے دریافت، جمع اور مرتب کیے گئے ہیں، اُن میں حمدیہ کلام بالالتزام پایا جاتا ہے۔ یہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ انسانی شعور و ادراک نے اپنے داخلی جذبات اور فطری احساسات کا اظہار سب سے پہلے اپنے معبود اور اس کے لیے اپنے اندر بندگی کے شعور و عرفان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ حمدیہ شاعری دراصل فطرتِ انسانی کی وہ پکار ہے جس کے ذریعے اس نے جہانِ رنگ و بو میں اپنے خالق و مالک کو پہچاننے اور اس سے اپنے رشتے کو استوار کرنے کا برملا اظہار کیا۔

جب ہم اس نکتے پر غور کرتے ہیں تو دو باتیں خاص طور سے ہماری توجہ کا مرکز بنتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنے خالق کی تلاش یا اُس کو پہچاننا دراصل انسان کی بنیادی جستجو کا مظہر ہے۔ یہاں اگر ہم مذہب کو حوالہ نہ بنائیں تو بھی اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا کہ یہ تلاش یا شناخت دراصل انسان کی فطرت کے داخلی اور لازمی تقاضوں میں سے ایک بہت بنیادی حیثیت کا حامل تقاضا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسانی فطرت یہ تقاضا آخر کیوں رکھتی ہے؟ اس حوالے سے اہلِ فلسفہ اور علم الکلام کے لوگ اپنے اپنے نظریات اور عقائد کی روشنی میں بات کرتے ہیں۔ اُن کے دقیق افکار و اظہار کو سرِدست ایک طرف رکھتے ہوئے ہم یہاں اتنی بات تو بہرحال کرسکتے ہیں کہ اپنے خالق کو پہچاننا دراصل انسان کی روح کا مطالبہ ہے جس کے توسط سے وہ دراصل اپنا

اثبات کرتی ہے۔ حیاتِ انسانی کی سب سے بڑی اور سب سے لطیف نشانی روح ہے۔ روح کے بغیر وجودِ انسانی کے کوئی معنی نہیں۔ وہ محض مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ روح ہے جو اس وجود کو ارفع بناتی، اس کو معنویت اور قدر و قیمت عطا کرتی ہے۔ روح چوں کہ اس کے خالق نے وجود میں پھونکی ہے، اس لیے وہ عناصر کے اس جہان میں سب سے پہلے اس کی نشانیوں کو دیکھتی ہے اور ان کے ذریعے اس کو پہچان کر اس سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہتی ہے۔ قرآن کریم اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ اللہ نے انسانی ارواح کو خلق کیا اور پھر فرمایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں؟ ان ارواح نے جواباً اعتراف کیا اور کہا، بے شک آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ بس یہی وہ لمحہ تھا کہ جب اپنے خالق اور اپنے رب کو پہچاننے اور اس سے اپنا رشتہ استوار کرنے کی آرزو انسان کی روح میں اتری اور ہمیشہ کے لیے اُس کے اندر راسخ ہوگئی۔

ہمارے یہاں مذہبی رجحان رکھنے والے علم الکلام کے لوگوں کی طرح سب اہلِ دانش اور اہلِ فلسفہ اپنے اپنے نکتۂ نظر اور دلائل کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ کائنات کے اس ہول ناک سناٹے میں انسانی نگاہ نے جہاں تک کام کیا، اسے تغیر اور بے ثباتی کے نشانات ہی یہاں سے وہاں تک نظر آئے۔ سب کچھ بے مایہ، موہوم، بے نشاں اور مسلسل تغیر کی زد پر، حتیٰ کہ خود انسان کا اپنا وجود بھی ثبات و دوام سے عاری۔ چناں چہ اُس نے جان لیا کہ اپنی اصل سے رجوع کر کے ہی اسے سکون و ثبات حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے اپنے خالق کی پہچان اور اُس سے اپنے رشتے کا اظہار دراصل انسانی روح کا وہ داعیہ ہے کہ جو ایک طرف اُس کے لیے اس کائنات میں درماندگی یا گم شدگی کا سدِ باب کرتا ہے اور دوسری طرف اُسے ازلی و ابدی، اصل اور ہمہ گیر حقیقت سے مربوط کر کے اُس کی زندگی کو مقصد و معنی عطا کرتا ہے۔

اس نکتے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حمد گوئی فنی لحاظ سے اپنے جو بھی خواص اور امتیازات رکھتی ہو، لیکن فکری سطح پر دراصل اُس کی حیثیت ایک ایسے اظہار کی ہے جو خاکی انسان کی بنیادی داخلی آرزو کو آواز عطا کرنے سے عبارت ہے۔ اس آواز کے ذریعے انسانی روح کی پکار کائنات کے اس سناٹے میں گونجتی اور اپنے خالق کی دریافت کے لیے اُس کی بے قراری کو سامنے لاتی ہے۔ پھر جب وہ اُس کو پالیتا ہے تو حمد یہ کلمات اس کے حرفِ تشکر کو پیش کرتے ہیں۔ شکر گزاری کے اس احساس میں ہمہ گیر حیثیت سے ارتباط کی قوت جس طرح اُس کے اندر اترتی اور اُسے جس سرشاری سے ہم کنار کرتی ہے، اس کا اظہار بھی حمد کے لفظ و بیاں

میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمد یہ اظہار صرف مذہبی ہی نہیں، بلکہ ایک حد تک غیر مذہبی تہذیبوں کے یہاں بھی کسی نہ کسی صورت میں دنیا کی قدیم ترین معلومہ تاریخ میں ملتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نے اپنے شعور کی اوّلین سطح پر اور اپنے احساس کے پہلے ہی درجے میں اپنے خالق اور اپنے رازق کو جاننے، پہچاننے اور اس سے اپنے گہرے اور دائمی ربط و تعلق کی ضرورت پوری شدت کے ساتھ اپنے باطن میں روح کے تقاضے کے طور پر محسوس کی تھی۔

اس ابتدائی گفتگو سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ عتیق سے عصرِ جدید تک ادب و فن کے دائرے میں جس صنفِ سخن کو بلاخوفِ تردید اوّلیت حاصل رہی اور اب تک ہے، وہ بلاشبہ حمد نگاری ہے۔ اس کے لیے تاریخ و تحقیق کی کتابوں میں ایک دو نہیں، درجنوں، سیکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں حوالے درج ہیں جن میں مختلف زاویوں سے انسانی افکار اور احساسات کی ایک وسیع دنیا ہمارے سامنے آتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جب فلسفے نہیں تھے، نظریات و تصورات نہیں تھے، اس وقت سے آج تک انسان نے اپنی روح کے اس مطالبے کو کس طرح دیکھا اور اس کے لیے کیا کیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے دل چسپ مطالعہ ان تہذیبوں اور معاشروں میں فروغ پانے والے ادب و شعر کے حوالے سے سامنے آتا ہے، جہاں مذہب تو موجود نہیں، لیکن حمد گوئی وہاں بھی رائج تصورِ الٰہ کو بخوبی پیش کرتی ہے۔

تہذیبوں کی تاریخ اس امر کا اظہار بھی کرتی ہے کہ جن معاشروں میں ادب کا فروغ ہوا وہاں آغاز کا دور حرفِ سخن سے عبارت رہا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ادب کا پہلا قرینہ حرفِ شعر کی صورت میں ہی سامنے آیا۔ دنیا کی بیشتر زبانوں کی طرح اردو ادب کے آغاز کا زمانہ بھی شعری اظہار سے موسوم نظر آتا ہے۔ اس دور کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انسان نے اپنے فطری احساسات اور داخلی جذبات کو شاعری میں ہی سب سے پہلے پیش کیا ہے اور ان میں ایک معتد بہ حصہ حمد یہ کلام اور مذہبی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ ادب و تاریخ کے محققین اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں صوفیا نے تہذیب و معاشرے کی تعمیر میں نمایاں طور سے حصہ لیا۔ اس سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ صوفیا اپنے افکار، مزاج اور زندگی کے رویوں میں نہایت وسیع المشرب ہوا کرتے ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی شخصیت اور کردار کے سانچے کو کوئی ایک عنوان دیا جا سکتا ہے تو وہ بلاشبہ بھائی چارے کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ برِصغیر میں اسلامی تہذیب کے اوائل میں اس طرزِ حیات نے صوفیا کی شخصیت کو ایک مقناطیس بنا دیا تھا جو رنگ و نسل اور ملت و قوم

کی ہر تفریق سے قطعِ نظر لوگوں کے انبوہ کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنے رنگ میں انھیں بھی ڈھالنے کا کام کرتا تھا۔

اپنے شعری افکار میں صوفیا نے انسانوں سے محبت کی جو تعلیم دی اُس میں زیریں سطح پر مذہبی تعلیم اور دین کی تبلیغ کا نرم خو رویہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یوں اس شاعری نے ایک طرف تو لوگوں کو صوفی کے روحانی تجربات سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان میں دین کی تعلیم کو بھی پھیلایا۔ شاعری تو یوں بھی ذہن سے زیادہ دل پر اثر کرتی ہے اور جذبوں کو تحریک دیتی ہے۔ صوفیا کی شاعری نے حرفِ سخن کی اس اثر پذیری کو جس حلاوت اور محبت سے استعمال کیا، اس نے لوگوں کے دلوں تک رسائی حاصل کرتے ہوئے اُن کے اندر ایمان کی روشنی بھی پھیلا دی۔ اس روشنی میں عامۃ الناس نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر جس ذات کو پہچانا وہ خداوندِ قدوس ہے، جو اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اُن کے لیے دنیا میں نعمتیں اُتارتا ہے اور انھیں کبھی کسی حال میں بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ وہ ان کا پالنہار اور نگہبان ہے۔ ہمیشہ ان کی بھلائی چاہتا ہے اور انھیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ وہ ساری طاقتوں کا مالک ہے۔ ارض وسما، پانی ہوا، دن رات اور زندگی موت سب کچھ صرف اور صرف اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ بادشاہ اور فقیر، طاقت ور اور کم زور، بڑے اور چھوٹے سب اسی کے آگے جھک کر فلاح پا سکتے ہیں۔ سادہ انداز اور محبت کے اسلوب میں کہے گئے ان الفاظ نے لوگوں کے ذہن و دل پر اس طرح اثر کیا کہ برِصغیر کی تہذیب و معاشرت کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اس لیے کہ یہاں شعر اور اخلاص دونوں کی قوت یک جا ہو گئی تھی۔

اردو میں صوفیا کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو بنیادی موضوعات تھے، ایک توحید اور دوسرے انسانوں سے بلاتفریق اور غیر مشروط محبت۔ چناں چہ اُن کے کلام میں حمدِ باری تعالیٰ کا تناسب سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ حمد مذہب و فکر کے سارے وقیع موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، لیکن اس انداز سے اور اس اسلوب میں کہ ہر سننے اور پڑھنے والا اپنی ذہنی سطح کے مطابق ان کو سمجھتا اور اُن کا اثر قبول کرتا ہے۔ اس کلام میں ربوبیت کے نکات اور ربِ کائنات کی تسبیح و تقدیس کے موضوعات اس قرینے سے در آئے ہیں کہ اللہ کی بادشاہی کا نقش اس کی مخلوق کے دلوں پر مہر کی صورت جم جاتا ہے۔ اردو کی عظیم شعری تہذیب نے صوفیا کے اس انداز اور آہنگ سے بھرپور استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ولی دکنی، میر تقی اور میر درد سے اقبال تک آپ اردو کے شعری سرمائے میں حمدیہ کلام کو افکار و اظہار کی اعلیٰ تر

سطح پر ابلاغ و ترسیلِ معنی کا کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یہ سلسلہ اس عہد کے شعرا تک جاری و ساری ہے۔ ان میں صوفیا کا تو بڑا حصہ ہے ہی، لیکن ان کے ساتھ ساتھ اردو کی مرکزی شعری روایت کو دیکھا جائے تو ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر سطح کے شعرا اپنی اپنی سطح اور اپنے مزاج و اسلوب کے مطابق اس تخلیقی روایت سے جڑے نظر آتے ہیں۔

بڑی تہذیب ہی بڑا ادب پیدا کر سکتی ہے۔ دنیاے ادب کی کسی روایت کو اٹھا کر دیکھ لیجیے، آپ کو اس کے پس منظر میں ایک بڑا اور عظیم تصور کارفرما نظر آئے گا۔ کسی تہذیب کے نظامِ فکر و حیات میں کام کرنے والے ہر بڑے تصور کی بنیاد درحقیقت اُس کے تصورِ الٰہ پر ہوتی ہے۔ یہ تصور جتنا بڑا، عمیق اور ہمہ گیر ہوگا اسی قدر اُس تہذیب کے اوضاع میں وسعت، گہرائی اور جمالیاتی مظاہر میں جاذبیت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ چناں چہ براہِ راست مذہبی افکار و تعلیمات کے زیرِ اثر نہ ہونے کے باوجود اردو کا وہ جملہ شعری سرمایہ جو قدرِ اوّل سے تعلق رکھتا ہے، اپنے معنوی ابلاغ میں اسلام کے تصورِ الٰہ کی اس جہتِ جمال کا کسی نہ کسی درجے میں لازماً اظہار کرتا ہے اور بلاشبہ حمدیہ شاعری تو اس کی مکمل اور اعلیٰ ترین مثال پیش کرتی ہے۔

مذہب کی تعلیم اور صوفیا کے اثرات اپنی جگہ، لیکن ادب و فن کا مطالعہ کرتے ہوئے کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ سوال بھی سر اٹھاتا ہے کہ ایک فن کار کا ذہن جو عام انسانی ذہن کے مقابلے میں زیادہ درّاک ہوتا ہے، اس کی حساس طبیعت جو فطرتِ انسانی کے تجربات کو زیادہ گہرائی میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُس کا تخلیقی مزاج کہ جو مظاہرِ حیات و کائنات کی باریکیوں تک پہنچتا ہے، آخر اسے مذہبی شعائر اپنانے اور عبادت و بندگی اختیار کرنے کی ضرورت یا خواہش کیوں کر ہو سکتی ہے؟ بہ ظاہر یہ ایک دقیق سوال معلوم ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس کے اطمینان بخش جواب کے لیے فلسفے کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے اور نفسیاتی پیچیدگیوں کی تشریحات کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بغیر اس کا تشفی بخش جواب ممکن نہیں ہے۔ ویسے یہ تأثر غلط بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذہبی افکار و تعلیمات کا بزعمِ خویش رد لکھنے والوں نے اپنی حیلہ جوئی کے باب میں اتمامِ حجت کے لیے ان سب اشیا و عوامل سے حسبِ ضرورت اور بقدرِ شوق کام بھی خوب لیا ہے۔ تاہم جب ہم اس سوال پر ذرا سکون سے غور کرتے ہیں تو محسوس کیے بغیر نہیں رہ پاتے کہ یہ تو بہت سادہ سا سوال ہے، اور یہ کہ اس کا جواب تو مکمل طور سے خود اسی سوال میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ غور و فکر کا زاویہ درست کر لیا جائے۔ وہ کیسے؟ آیئے دیکھ لیتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ

چوں کہ تخلیق کار یا شاعر کا ذہن درّاک، طبیعت حساس اور مزاج متلاشی ہوتا ہے، اس لیے اُس کے شعور و احساس کی رو اِس حقیقت کا سراغ عام انسانوں کے مقابلے میں بہت جلد پا لیتی ہے کہ یہ کائنات اور اس کے سارے مظاہر دراصل ایک ہمیشہ رہنے والی طاقت کے جلال و جمال اور قدرت و اختیار کے عکاس ہیں۔ دوسری بات، وہ چوں کہ تلمیذ الرحمٰن ہوتا ہے، اس لیے وہبی قوت اس کی رہنمائی بھی کرتی ہے۔ وہ اس امر کو پہچانتا ہے تو اُس کا ضمیر بلا تأمل گواہی پر بھی آمادہ ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ وجودِ باری کو تسلیم کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوتا، اور بے دریغ کہہ اٹھتا ہے:

ہم ایسے اہلِ نظر کو قبولِ حق کے لیے اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

تیسری بات یہ کہ فنی اور تخلیقی سطح پر چوں کہ اُس کا شعور اپنی اعلیٰ ترین حالت اور کیفیت کا اظہار کرتا ہے اور اس لمحے میں اُس کے یہاں کسی اشتباہ کا گزر تک نہیں ہوتا، اس لیے اس کے حرفِ سخن میں بندگی کا وہ قرینہ پورے شعور اور اہتمام سے سامنے آتا ہے جو دراصل اس کے ایمان اور عقیدے کا مظہر ہوتا ہے۔ قبولِ حق کی یہ صورت دوسری طرف اس کے فن کی بھی اعلیٰ تر کیفیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شعور و احساس دونوں اس مرحلے پر اپنے بلند ترین درجے میں ہوتے ہیں۔ اب یہاں اُس کا فن صرف فن ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ اُس کے وجود کی تمام تر صداقت کے ساتھ روح کی پکار بھی بن جاتا ہے۔ اس لیے وہ اثبات کی منزل کو پاتے ہوئے حمد و مناجات میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ اس حقیقت کی تصدیق کے لیے کسی خاص مقام و مرتبہ کے حامل یا کسی مخصوص رویے کے مالک شاعر کے کلام کا مطالعہ ضروری نہیں ہے۔ آپ کسی بھی شاعر کو سامنے رکھ لیجیے، اس کا کلام اس امرِ واقعہ کی شہادت دیتا ہوا نظر آئے گا۔ چناں چہ یہ طے ہے کہ فنی سطح پر اپنی بندگی کا اظہار کرنے اور حمد و مناجات کہنے والا شاعر اس سمت میں پیش رفت صرف اسی وقت کرتا ہے، جب خود اُس کے نہاں خانۂ جاں میں یہ تقاضا اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ کسی خارجی ضرورت، فن کی آزمائش یا فیشن کے لیے کوئی شاعر یہ کام کر سکے، ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس ضمن میں مولانا سیّد ابوالحسن ندوی کی یہ رائے بھی دیکھ لیجیے:

> عبد و معبود کے رشتے میں استحکام و دوام کے لیے نبوتِ محمد ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ نے جو ذرائع اختیار کیے ہیں، ان کے دو عنوان ہیں، ایک ذکر و حمدِ خداوندی اور دوسرے دُعا و مناجات۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح حمد کی اور ذکر کی تاکید

فرمائی، اس کے جو فضائل و منافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار و حکم کی نقاب کشائی فرمائی، اس کے بعد حمد و مناجات محض ایک فریضہ نہیں رہ جاتے، بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت، فطرت کا ایک خاصہ، روح کی غذا اور دل کی دوا بن جاتے ہیں۔

عبد و معبود کے اس رشتے کا اعتراف و اظہار تخلیق کار کے فن میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ضمیر میں خیر کے عنصر کو پہچانتے ہوئے اپنی اصل سے رجوع کرنا اور اس کو اثبات و اعتراف کے درجے میں لانا چاہتا ہے۔ یہ عمل دراصل اُس کے لیے ایک طرف حقیقتِ حقہ سے مربوط ہونے کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف اس کے توسط سے وہ خود اپنی حقیقت کو بھی پالیتا ہے۔ اس طرح حمد و مناجات فن کار کے لیے تخلیقی تجربے تک محدود نہیں رہتی، بلکہ ایک روحانی عمل اور ''فنی عبادت'' بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر طفیل احمد مدنی نے اس امر کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

حمد و مناجات گوئی فن بھی ہے اور عبادت بھی۔ فن کے لیے جس ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے جب وہی حمد و مناجات گوئی میں کام میں لائی جائے تو عبادت بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر شعرا شعر گوئی کا آغاز تو نظم و غزل سے کرتے ہیں، لیکن جب ان کی فنی ریاضت انتہا تک پہنچتی ہے تو وہ حمد و نعت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور یہیں سے فنی ریاضت، فنی عبادت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

حمد یہ کلام فنی عبادت کا درجہ رکھتا ہے تو اس حوالے سے انسانی فطرت کی اس جستجو کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے جو اس کے باطن کے مرکز میں کہیں پائی جاتی ہے۔ یہ جستجو کیا ہے؟ یہ ہے اپنے خالق و رازق کو اس طرح حیطۂ ادراک میں لانا کہ وہ اُس کے تجربے میں آنے والی زندہ حقیقت بن جائے۔ اب یوں تو سارے الہامی مذاہب میں اور بالخصوص اسلام میں پوری قطعیت کے ساتھ خالق کا تصور دائرۂ وجود سے ماورا ہے۔ مخلوق اپنے رب کو، اپنے خالق و مالک کو اُس کی قدرت و اختیار اور صفات کے حوالے سے پہچانتی ہے۔ یہ قدرت اور صفات اُس نے خود وحی کے توسط سے بیان کی ہیں اور انبیاے کرام علیہم السلام کے ذریعے اپنی مخلوق کو بتائی ہیں۔ علاوہ ازیں علما بتاتے ہیں کہ اس کے برگزیدہ بندے واصلِ حق ہو کر ان کا شعور پاتے ہیں، اور عام آدمی سے اس کی حس و ادراک کی سطح پر آ کر انھیں بیان کرتے ہیں۔ تخلیق کار بھی اپنی اپنی فنی ریاضت و عبادت کی سطح پر ان سے آگاہ ہوتے ہیں، اور اسی حد تک اپنے تخلیقی اظہار میں ان کو سمجھنے اور بیان

کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حمد کے موضوعات کا دائرہ ہر شاعر کے یہاں اتنا ہی وسیع ہے، جتنی کہ شعور وادراک کی پہنائی اس کو میسر آئی ہے۔ ویسے صفاتِ الٰہیہ کا دائرہ بذاتہٖ اس قدر وسیع ہے کہ انسانی سوچ اس کا مکمل طور سے احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ شعرائے قدیم سے عصرِ حاضر تک لکھی گئی حمد کا سلسلے وار مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انسان نے اس کائنات کی تسخیر میں مشاہدات و تجربات کا جو سفر طے کیا ہے، وہ اس کے لیے اپنے خالق کو پہچاننے اور ماننے کے نئے نئے پہلو پیدا کرتا رہا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ سائنس اور فلسفے کو جنھیں سیکولر سمجھا اور کہا جاتا ہے، وہ بھی اپنے اپنے انداز سے انسان کے لیے ربِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور صفاتِ عالیہ کی شناخت کا ذریعہ بنتے جا رہے ہیں۔ ہمارے عہد میں ان علوم کی ترقی اور دریافتوں پر محض سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو اس حقیقت کا وافر ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ انسانی شعور نے ان سب کو قبول کرتے ہوئے اصل میں اس کائنات کے خالق کی قدرت، صناعی، طاقت، اختیار، عظمت، رحمت ایسی صفات کا تجربہ بھی کیا اور یوں اس کا ایمان محکم بھی ہوا ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ شاعرانہ تخیل نے بھی ایمان وایقان کے اظہار و بیاں کے لیے جادہ تراشی کے ہنر سے کام لیا ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ثنائے ربِّ جلیل کا قرینہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں اور اظہارِ تشکر کے معمولات میں ملتا ہے، اور پھر خود قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی سب سے بڑھ کر اس کام میں ہماری مدد کرتا ہے کہ اُسے کس طرح پکارا جائے، کس طرح اس کی رحمت طلب کی جائے اور کیسے اسے راضی کیا جائے۔

اب یہاں ایک سوال ہماری توجہ چاہتا ہے، وہ یہ کہ اردو کے حمدیہ سرمایۂ شعری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فکری وفنی ہر دو لحاظ سے یہ ذخیرۂ ادب وشعر لائقِ افتخار ہے؟ یہ ایک بے حد سنجیدہ اور اہم سوال ہے۔ اس پر غور کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ حمد بحیثیت صنفِ ادب حمدِ باری تعالیٰ کے بارے میں کسی رو رعایت کے بغیر ہم یہ طے کر سکیں کہ ہمارے یہاں اس حوالے سے کیا کام ہوا ہے، یہ کام کتنا اور کس درجے کا ہے۔ تاہم اس سوال پر غور کرتے ہوئے پہلے ہمیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ عالمی ادب میں حمدیہ کلام کی صورتِ حال کیا رہی ہے؟ یوں تو یہ ایک نہایت تفصیل طلب کام ہے، لیکن سرِدست ہمیں پورے پورے دفتر کھنگالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اجمالی نگاہ بھی اس سلسلے میں ایک تأثر اخذ کرنے میں ممد ومعاون ہوگی۔ دنیا

کے قدیم ترین ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی معاشرہ اور تہذیب ایسی نہیں، جس میں معتد بہ ذخیرہ حمدیہ ادب کا نہ ملتا ہو۔ چین، یونان، ہندوستان اور مصر سے لے کر ایران اور عرب تک حمد نگاری کی ایک دیرینہ روایت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ظاہر ہے اس میں موضوعات، مضامین، اسلوب اور آہنگ کا فرق تہذیبوں کے اپنے اپنے مزاج کے مطابق ملتا ہے۔ تاہم یہ طے ہے کہ عہدِ قدیم سے عصرِ حاضر تک کسی زبان و ادب میں حمد کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نظر انداز کرنے کا تو سوال ہی کیا، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پہلے زمانے کے شعرا کے پاس سب سے اہم موضوع ہی وہ تھا جس میں وہ اپنے خالق و رازق کی ثنا کرتے، اس سے ہم کلام ہوتے یا مناجات کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچاننا اور اس سے اپنے ربط و تعلق کا اظہار کرنا دراصل ازل سے اس عہد تک انسانی فطرت کی طلب اور اس کی روح کا تقاضا رہا ہے۔ جہاں تک بات ہے حمدیہ کلام کے معیار کی تو اس حوالے سے کہا جائے گا کہ بلند فکری سطح کا سرمایۂ شعر، عام طور سے کم ہی ملتا ہے۔ زیادہ مقدار میں وہی کلام ملتا ہے جس میں اوسط درجے کے جذبات و احساسات سے کام لیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں عوامی سطح کی ترجمانی کی گئی ہے۔

ابتدائی دور میں ہمارے ہاں حمد کو یہ صنفی حیثیت تو حاصل نہیں تھی جو آج ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کلاسیکی دور کے شعرا کے یہاں بہت اختصاص کے ساتھ تو حمدیہ کلام نہیں ملتا، لیکن اُن کے کلام میں حمدیہ مضامین بالالتزام نظر آتے ہیں۔ رنگِ سخن سے یہ اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ یہ بیان کسی رسمی طرزِ اظہار کا حامل نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں سچا تخلیقی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور دل چسپ بات یہ ہے کہ رنگ، نسل اور مذہب سب سے قطعِ نظر اردو کے غیر مسلم شعرا کے یہاں بھی حمد کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ یہ اہتمام کسی صنف سے بھی مخصوص نہیں ہے۔ غزل، نظم، رُباعی، قطعہ، مخمس اور مسدس غرض ہر صنف میں حمدیہ اظہار بالالتزام تخلیقی فکر و شعور کا حصہ بنا ہے۔ یہاں تک کہ مثنوی جیسی صنف میں بھی کہ جو اپنے موضوع اور مزاج کے اعتبار سے سراسر قصہ کہانی اور حسن و عشق سے معاملہ رکھتی ہے، اس میں بھی شعرا نے حمد کو جزوِ لازم کے طور پر اختیار کیا ہے۔ جہاں تک معیار کا معاملہ ہے، یہاں بھی وہی صورتِ حال ہے جو ہمیں دنیا بھر میں ملتی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

اُردو میں اچھی حمدیں نسبتاً کم ملتی ہیں وہ جس کا کوئی سراپا نہیں، وہ جس کا کوئی چہرہ نہیں اور پھر بھی وہ

ہر چہرے اور ہر سراپے میں اپنے نقوش ثبت کر دیتا ہے، اسے اپنے احاطۂ ادراک اور دائرۂ محسوسات میں لانا بڑے تخیل اور کمالِ بندگی کے بغیر ممکن نہیں اور اس کے لیے وہ مرحلۂ احساس بھی لازم ہے جب پہاڑ، دریا، سمندر سب اس کی تحریروں کی طرح اور سارے چہرے اس کے نقوشِ موقلم کی طرح نظر آئیں، اور اس مرحلۂ احساس تک آدمی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی مدد سے ہی پہنچ سکتا ہے۔ ''باری''، ''خالق''، اور ''بدیع'' کے اشاروں سے حیات و کائنات کی تخلیق اور اس کے زاویے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ ''رحمٰن''، ''رحیم''، ''جبار''، ''قہار'' اور ''عزیز'' سے انسانوں اور مخلوقات کے ساتھ اس کے رشتے کے رموز تک پہنچا جاسکتا ہے اور وہ بھی کسی حد تک۔

اس حوالے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کا صحیفہ ہے۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ''ہر برگِ سبز معرفتِ کردگار کا ایک دفتر ہے۔'' اسی حقیقت کو اُردو کے نام ور شاعر علامہ ثاقب کانپوری نے کس عشقیہ اور پاکیزہ لہجے میں بیان کیا ہے:

ہر منظرِ رنگیں میں تجھے پایا ہے میں نے کھاتا ہوں قسم دل کشیِ شام و سحر کی

اردو شاعری کے اوّلیں ادوار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں ابتدا میں حمد کے موضوعات کا دائرہ مخصوص اور اسالیب قدرے محدود تھے۔ بعد ازاں جس طرح دوسری اصناف، مثلاً غزل و نظم، رباعی اور قطعات وغیرہ میں نئے نئے مضامین اور اسالیب داخل ہوئے، اسی طرح حمد نگاری میں بھی فکر و تخیل کی وسعت کا سامان ہوتا چلا گیا۔ اس ضمن میں انسانی شعور و عرفان نے ترقی اور پختگی کے جو مراحل طے کیے، ان کی نسبت سے اس نے اپنے خالق کو پہچاننے اور کائنات کے اس وسیع و عریض حیرت کدے میں بکھری ہوئی اس کی ان گنت نشانیوں کو دیکھنے اور سمجھنے میں آسانی محسوس کی۔ یہی نہیں، بلکہ ان کو بیان کرنے کا قرینہ بھی اس نے گزرتے وقت کے ساتھ بہتر سے بہتر انداز میں حاصل کیا۔ چناں چہ آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اردو میں حمد کی روایت کا نہ صرف ایک بڑا تسلسل ہے، بلکہ اس کے اظہار و بیاں اور مزاج و منہاج میں بھی بڑی وسعت اور رنگا رنگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے ادب و شعر میں حمد نگاری کا یہ ارتقا دراصل انسانی شعور کے ارتقا سے ہم آہنگ رہا ہے۔ یقیناً یہ ایک فطری بات بھی ہے۔ انسان کے تخلیقی و فنی اظہار میں اس کے شعور و ادراک کا پرتو ہر دور اور ہر تہذیب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہمارے ادب و فن پر بھی اس امر کا اطلاق ہوتا ہے اور ہم اپنے ادب کی مذہبی اصناف میں بھی اس حقیقت کا ثبوت واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

جہاں تک ذاتی علمی ادبی زندگی کا تعلق ہے تو اس کے آغاز ہی میں مختلف اصناف کا مطالعہ کرتے ہوئے میں نے محسوس کرلیا تھا کہ حمد ونعت میری دل چسپی کا مرکزی حوالہ ہیں۔ اُس زمانے سے اب تک گزشتہ تین عشروں سے زائد کے اس عرصے میں حمد ونعت کے تخلیقی، فکری اور اسلوبیاتی سفر کو سمجھنے اور جانچنے کی میں اپنی سی کوشش مسلسل کرتا رہا ہوں۔ ان دونوں اصناف کے ادبی، علمی، فکری اور فنی سفر سے مجھے یک گونہ دل چسپی رہی ہے اور میں اُن کے مختلف مراحل پر ابھرنے والے سوالات اور مباحث کو جاننے اور سمجھنے کے لیے کوشاں رہا ہوں۔ اسی جستجو میں ''اردو نعت کی شعری روایت: تعریف، تاریخ، رجحانات، تقاضے'' دو سال قبل مرتب کی تھی۔ بعد ازاں محسوس ہوا کہ اسی نوع کے کام کی ضرورت حمد کے بارے میں بھی ہے۔ چناں چہ حمد کے حوالے سے بھی لوازمہ جمع کرنا شروع کیا۔ اس موضوع پر دستیاب سرمایۂ نقد ونظر پر نگاہ ڈالی تو پہلے سے لکھے ہوئے کچھ مضامین اہم معلوم ہوئے، لیکن ساتھ ہی یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی کہ کچھ موضوعات پر نئے مضامین لکھوائے جائیں، تاکہ نعت کی طرح تنقیدِ حمد کے باب میں بھی ایک ایسی دستاویز تیار ہو سکے جو آگے چل کر کام کرنے والوں کو نہ صرف اردو شاعری کے تناظر میں حمد کی روایت کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دے، بلکہ اپنے عہد اور آنے والے زمانے کے تناظر میں کچھ غور طلب سوالوں اور کچھ نئے فکری خطوط کی بھی نشان دہی کر سکے۔

اللہ رب العزت کا عجیب انتظام ہے۔ انسان اخلاص کے ساتھ ایک راستے پر پہلا قدم اٹھاتا ہے اور بس اس کے بعد جیسے منزل خود بہ خود اس کی سمت بڑھنے لگتی ہے۔ میں اس موضوع سے متعلق کتب ورسائل دیکھ رہا تھا کہ غوث میاں کا کیا ہوا ایک حمدیہ انتخاب پھر سے سامنے آ گیا۔ یہ کتاب کم وبیش سولہ سترہ سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ ان دنوں اس پر مبین مرزا کا ایک تفصیلی تبصرہ بھی ''نعت رنگ'' میں شائع ہوا تھا جس میں کچھ اہم باتیں کی گئی تھیں اور خاص طور پر کتاب میں شامل مرتب کے مقدمے کے حوالے سے کچھ سوالات اٹھائے گئے تھے جو اصل میں حمد کے تنقیدی جائزہ ومحاکمہ کے حوالوں سے بحث کرتے تھے۔ مثال کے طور پر کہا گیا تھا کہ اس مقدمے سے ہمیں اس بات کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ مرتب کے نزدیک حمد کی علمی، ادبی قدر و قیمت کیا ہے؟ انھوں نے اس مقدمے کے آغاز میں چند ایک مذہبی حوالے جو دیے ہیں، وہ تو دوسروں سے اقتباس کی گئی آرا ہیں، اس باب میں ان کا اپنا نقطۂ نظر کیا ہے، اور وہ حمد کو اردو کی شعری روایت میں کس طرح سفر کرتا ہوا دیکھتے ہیں؟ حمدیہ شاعری جس معنویت کی تشکیل کرتی ہے، وہ ہماری شعری

روایت کے معنوی تسلسل میں کس طور شامل ہوتی ہے؟ بحیثیت صنفِ سخن اب تک حمد کی فنی وفکری achievements کیا ہیں؟ مختلف ادوار میں حمد کے فکری اور اسلوبیاتی تجربے ادب میں ہوئے ہیں کہ نہیں اور اگر ہوئے ہیں تو ہم اس حوالے سے کیا اسلوبیاتی تغیر دیکھتے ہیں؟ ادب وشعر کی تاریخ میں ہم جن مختلف تحریکوں اور نظریات کو اثر انداز ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، کیا ان کے اثرات حمدیہ شاعری پر بھی ہوئے ہیں اور اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ ان اور ایسے ہی کچھ دوسرے فکری نظری مباحث پر بھی اس مقدمے میں کچھ گفتگو ہو جاتی تو اچھا تھا۔

ان سوالات نے مجھے خاص طور سے تحریک دی کہ میں مطالعاتِ حمد کے حوالے سے اس کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے ان مسائل ومباحث پر پوری توجہ مرکوز کروں۔ چناں چہ تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ ہمارے ہاں حمد کی تنقید کا معاملہ بھی کچھ ویسا ہی ہے جیسا ہم نعت کے سلسلے میں دیکھتے ہیں۔ ہمارے بہت سے ناقدین تو حمد ونعت کے تنقیدی، تجزیاتی اور تحلیلی مطالعے کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ صرف مذہبی عقیدت و محبت کا معاملہ ہے اور یہ فکر وفن کی کسوٹی پر کس کر دیکھنے کی شے ہے ہی نہیں۔ وہ نقاد جو اس نوع کے مطالعے پر مائل ہوتے ہیں، ان کا رویہ بھی ستائش اور دل جوئی کا ہوتا ہے۔ گویا وہ بھی بہ اندازِ دگر پہلے گروہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اس کام کو اس طرح کیا ہے، جیسے ادب وشعر کے دوسرے مباحث اور اصناف کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ سو، اندازہ ہوا کہ حمد نگاری کی تنقید کا کوئی بہتر مطالعہ مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر نعت کا۔ بہر حال اس کتاب کی تالیف میں حتی الوسع میری یہی کوشش رہی کہ آنے والے زمانے میں کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک بنیادی دستاویز کا درجہ رکھتی ہو۔

اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب حمد کو محض ایک عقیدت کا معاملہ بنا کر نہیں، بلکہ ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے دیکھنے کا موقع فراہم کرے۔ اپنے قارئین کو حمد کے حوالے سے ان سوالوں پر غور کرنے کی تحریک دے جو ادب وشعر کے مرکزی ایوان میں گونجتے ہیں اور جن میں سماجی شعور اور عصری حسیت کے زاویے نمایاں ہوتے ہیں۔ پڑھنے والے کو اس مطالعے کے ذریعے یہ دیکھنے کا موقع ملے کہ حمدیہ شاعری جس معنویت کی تشکیل کرتی ہے، وہ ہماری شعری روایت کے تسلسل میں کس طور شامل ہوئی ہے اور یہ کہ اپنی شعری تاریخ کے مختلف ادوار میں بہ حیثیت صنفِ سخن اب تک حمد کے فنی وفکری سنگ ہائے میل کیا ہیں، اور یہ بھی کہ ہم اپنے یہاں حمد

کے حوالے سے ہونے والے اسلوبیاتی تجربات کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد قاری کو یہ بھی دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو کہ ہمارے ادب و شعر کی تاریخ میں جن تحریکوں اور نظریات نے اثرات مرتب کیے، کیا وہ کسی صورت اور کسی درجے میں حمد نگاری تک بھی پہنچے اور اگر پہنچے تو کس حد تک؟

جہاں تک عصرِ حاضر کا تعلق ہے، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے عہد کے جن شعرا نے نعت گوئی کو اختیار کیا ان کی توجہ حمد نگاری کی طرف بھی مبذول ہوئی۔ علاوہ ازیں نعت گوئی کے فروغ کے لیے قائم اداروں نے بالخصوص نعتیہ مشاعروں کے ساتھ ساتھ حمدیہ مشاعروں کا اہتمام بھی کیا جس کے نتیجے میں شعرا کے ایک بڑے طبقے نے ان مشاعروں میں مسلسل شرکت کے باعث حمد کا قابلِ قدر تخلیقی سرمایہ جمع کر لیا اور اسی سرمائے کو مجموعہ ہائے حمد کی شکل میں پیش کرنے کے رُجحان نے زور پکڑا ہے۔ ان اداروں میں مجلسِ احبابِ ملت کراچی، حمد و نعت ریسرچ سینٹر کراچی، دبستانِ وارثیہ کراچی اور حمد و نعت اکیڈمی نئی دہلی، محفلِ نعت اور بزمِ حمد و نعت اسلام آباد جیسے کئی ادبی اداروں کی کاوشیں لائقِ ستائش ہیں۔ شعر و ادب کے جو خزینے ہمیں اپنے متقدمین کی میراث کے طور پر ملے ہیں حمد کا رنگ و آہنگ تو اس میں بھی بہت نمایاں تھا۔ عربی و فارسی کے تناظر میں دیکھا جائے تو حمد کی ایک توانا روایت شعر و ادب کا حصہ رہی ہے۔ اردو میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی دور سے تا حال بیشتر شعرا نے اپنے دواوین کا آغاز حمد ہی سے کیا ہے، یہی نہیں، بلکہ اُردو زبان و ادب پر مسلم تہذیب کے گہرے اثرات کے باعث غیر مسلم شعرا کے ہاں بھی حمد نگاری کا ایک توانا رجحان دیکھا جا سکتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد نعت گوئی کے میدان میں جو تیز رفتار اور نمایاں پیش رفت ہوئی، اس کے اثرات صرف نعت تک محدود نہیں رہے، بلکہ حمدیہ ادب کے فروغ کا بھی ذریعہ بنے۔ یہ کام انفرادی کوششوں کے ساتھ ساتھ اداروں کی سطح پر بھی ہوا۔ اس دور میں بعض ادارے اور بعض رسائل تو حمد گوئی ہی کے فروغ کے لیے معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد''، ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی مساعیِ جمیلہ سے نہ صرف حمدیہ مشاعروں کے انعقاد میں اضافے کی صورتِ حال نظر آتی ہے، بلکہ حمدیہ ادب کی تخلیق و اشاعت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اس امر کا اعتراف سنجیدہ اہلِ دانش، ادیب اور نقاد کرنے لگے ہیں، میں بھی اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے بعض اچھے خاصے نمایاں اور معروف نقادانِ فن نے ادب و دین کو دو خانوں میں بانٹ رکھا ہے، اور مذہبی اصنافِ سخن بہ وجوہ اُن کے یہاں

درخورِ اعتنا نہیں۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں حمد و نعت کا تخلیقی، فکری اور فنی سفر نہ صرف جاری رہا، بلکہ ارتقائی مراحل بھی طے کرتا رہا، لیکن یہ اصنافِ سخن ادب کے مرکزی دھارے میں اپنی ادبی و فنی حیثیت کا تعین دیگر اصنافِ ادب کی طرح نہ کروا سکیں۔ ان کی ادبی قدر و منزلت کو اس طور سے دیکھا ہی نہیں گیا جس طرح دیکھا جانا چاہیے تھا۔ مقامِ شکر ہے کہ اب یہ صورتِ حال تبدیل ہوتی نظر آ رہی ہے۔ ہمارے عہد میں مذہبی شاعری سے کم اعتنائی کا یہ رویہ اگرچہ مکمل طور پر تو ختم نہیں ہوا ہے، لیکن قدرے کم ضرور ہوا ہے۔ اب ہمارے اربابِ تنقید اور اہلِ تحقیق دونوں ہی ان جواہر پاروں کی ادبی پرکھ کی جانب بھی متوجہ ہو رہے ہیں۔

عصری تنقیدی صورتِ حال کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ نعت نے تو خاصی حد تک ہمارے تنقیدی تناظر میں اپنی ایک مستحکم حیثیت حاصل کر لی ہے اور تنقید کے باب میں اس کی فکر افروزی و خردمندی کے پہلو نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ البتہ حمد یہ ادب کے سلسلے میں ابھی کام کی بہت ضرورت اور گنجائش ہے۔ ذاتی طور پر میں بھی نعتیہ ادب کی ترویج، اشاعت اور فروغ کے سلسلے میں حتی الوسع کوشاں رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے محسوس کیا، وہ اپنی جگہ خود ایک بڑا فکری و علمی محاذ ہے اور مسلسل توجہ چاہتا ہے۔ تاہم ۱۹۹۹ء میں ''نعت رنگ'' کا خصوصی شمارہ حمد نمبر تیار کرتے ہوئے ذہن میں اس حوالے سے کئی سوال اٹھے تھے اور دل میں اس محاذ پر بھی کاوش کی آرزو پیدا ہوئی تھی۔ زیرِ نظر کتاب کو اس کی تکمیل کی ایک صورت کہا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے لیے مقالات کا انتخاب کرتے ہوئے کچھ سوالات، مباحث اور آئندہ کے امکانات میرے پیشِ نظر رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ خواہش بھی دل میں ہے کہ نئے عہد کے لوگ اور دانشِ حاضر کو اپنے دینی سیاق میں دیکھ کر درست اور قبول کرنے والے لوگ اس کام کو آگے لے کر چلیں۔ اس سلسلے میں فکر و دانش اور شعر و ادب سے سنجیدہ اور گہرا تعلق رکھنے والے دوستوں سے مشاورت بھی رہی۔ کچھ نئے موضوعات پر غور کیا اور ان پر مضامین بھی لکھوائے گئے۔ یہاں میں ادب و زبان کی تدریس سے وابستہ اور معروف نقاد ڈاکٹر طارق ہاشمی کا ذکر خاص طور سے کروں گا۔ انھوں نے میری فرمائش پر ''شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو'' بہت مختصر وقت میں اس کتاب کے لیے لکھ کر دیا۔ اس مضمون میں انھوں نے نہ صرف ایک نئے رخ سے حمد یہ کلام کو دیکھا، بلکہ یہ بات دلیل اور حوالوں سے ثابت کی کہ خدا سے شکایت اور مجادلے کے مضامین بھی حمد کی روایت کا حصہ ہیں۔ اس لیے کہ ان میں بھی پوری طرح حمد کا قرینہ ملتا ہے۔ میں ڈاکٹر طارق ہاشمی کی اس ناقدانہ

کاوش کو شکریے کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں، اور یہ خواہش رکھتا ہوں کہ آنے والے وقت میں حمد کے نئے قارئین اور ناقدین فکر و نظر کے نئے زاویے پیدا کریں اور جو کام میں اور میرے ساتھی اور ہم سے پہلے والے لوگ کر چکے، اسے نئے فکری و ادبی تناظر میں آگے بڑھائیں۔

اس کتاب کو اپنے موضوع کے حوالے سے ایک بنیادی ماخذ اور دستاویز بنانے کی خواہش کے پیشِ نظر مختلف پہلوؤں پر سوچتے ہوئے اس حوالے سے ضروری محسوس ہوا کہ حمد کے شعبے میں اب تک جو کام ہوا ہے، اس کا ایک اشاریہ اور کوائف یہاں درج کر دیے جائیں تاکہ تحقیقی زاویوں سے آئندہ کام کرنے والوں کو ہر ممکن سہولت فراہم ہو سکے۔

اس مرحلے پر حمدیہ ادب کے فروغ کے لیے جن رسائل و جرائد نے کسی نہ کسی طور اپنا کردار ادا کیا، ان پر نظر ڈالنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ماہنامہ ''نعت'' لاہور (حمدِ باری تعالیٰ نمبر)

جنوری ۱۹۸۸ء میں راجا رشید محمود کی ادارت میں ماہنامہ ''نعت'' نے اپنا اشاعتی سفر شروع کیا تو اس کا پہلا ہی شمارہ ''حمدِ باری تعالیٰ نمبر'' کے عنوان سے سامنے آیا۔ اس میں سات مقالات اور ایسی حمدوں کا انتخاب پیش کیا گیا جس میں لفظ نعت بھی آتا ہو۔ مقالات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اسلام میں توحید کا تصور: خلیل الرحمٰن کھجولوی۔ حمد، حامد اور محمود: عبدالحق ظفر چشتی۔ احادیث میں حمدِ خداوندی: ادارہ۔ حمدیہ شاعری میں ذاتی حوالہ: راجا غلام محمد۔ بارگاہِ خداوندی میں ملت کی فریاد: عترت حسین بقائی۔ حمد اور نعت کا تعلق: راجا رشید محمود۔ حمد میں نعت کی صورتیں: شہناز کوثر

یہ نمبر حمدیہ ادب کے تعارف اور فروغ کے سلسلے میں ایک عمدہ کاوش کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ماہنامہ ''نعت'' کے حمد نمبر کو حمد نمبروں کی اشاعت میں اب تک کی معلومات کے مطابق اوّلیت حاصل ہے۔

سہ ماہی ''کاروانِ ادب'' لکھنؤ:

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی کوششوں سے رابطہ ادبِ اسلامی کی تاسیس ۹ر جنوری ۱۹۸۶ء کو لکھنؤ میں عمل میں آئی جس کے زیرِ اہتمام ادبِ شرقیہ کی مختلف جہتوں پر علمی مذاکرے منعقد ہوئے۔ ۱۹۹۰ء میں ایک مذاکرہ ''حمد و مناجات'' کے موضوع پر بھی منعقد ہوا، بعد ازاں اس

مذاکرے میں پڑھے گئے و قیع مضامین و مقالات کو رابطہ ادبِ اسلامی کے ترجمان ''کاروانِ ادب'' کے پہلے شمارے مطبوعہ ۱۹۹۴ء میں شائع کیا گیا۔ یہ مقالات حمد و مناجات کے مختلف علمی و فکری پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ شمارہ نعت ریسرچ سینٹر میں موجود تھا، مگر دمِ تحریر سامنے نہیں۔ اس لیے اس کی تفصیل دینا ممکن نہیں۔

ماہنامہ ''تحریریں'' لاہور (حمدِ باری تعالیٰ نمبر، ۱۹۹۱ء)

غوث میاں نے اپنے مرتب کردہ ''انتخابِ حمد'' کے مقدمے میں ماہنامہ ''تحریریں'' لاہور (۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء) کے پہلے شمارے کے بطور حمدِ باری تعالیٰ نمبر آنے کی اطلاع فراہم کی۔ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس نمبر میں ۳۷ اُردو حمدوں کے علاوہ ۳ فارسی اور ۷ پنجابی حمدوں کا انتخاب شامل ہے۔ اسی مضمون میں انھوں نے ''پگڈنڈی'' (کتاب لڑی) لاہور کے ایک شمارے کا ذکر کیا جس پر سن درج نہیں۔ اس شمارے میں اختر کاشمیری کے مرتب کردہ انتخاب حمدِ باری تعالیٰ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جو ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۴۹ شعرائے کرام کی ۳۹ اُردو اور ۱۳ پنجابی حمدوں کے شامل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ شمارے چوں کہ میرے پیشِ نظر نہیں، اس لیے تفصیل دینا ممکن نہیں۔

سہ ماہی ''مفیض'' گوجرانوالہ (حمد نمبر)

محمد اقبال نجمی کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے سہ ماہی ''مفیض'' گوجرانوالہ نے اپنی دو اشاعتوں کو حمد نمبر کے طور پر پیش کیا۔ پہلی جلد ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی اور دوسری ۲۰۰۳ء میں۔ یہ دونوں جلدیں حمدیہ ادب کے فروغ میں اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں اُردو اور پنجابی زبانوں میں حمدیہ شاعری کی روایت اور معاصر و قدیم شعرا کے حمدیہ کلام کے تعارف و تجزیے پر مشتمل مضامین و انتخابِ حمد پر وقیع سرمایہ محفوظ ہو گیا ہے۔ دونوں جلدوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

حمد کا اوّلین تصور	صباحت مشتاق
اُردو شاعری میں حمد	ڈاکٹر عاصی کرنالی
اُردو زبان میں حمد کا پہلا دیوان	ابرار حسین
بلوچی شاعری میں حمد و نعت کے خزائن	منظور بلوچ
پنجابی شاعری میں حمد کی کتاب ''ربّنا''	نائلہ صدف
غالب کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری	افتخار احمد عدنی

غالب کا اسلوبِ حمدِ باری تعالیٰ	نام درج نہیں
خواجہ کریم اللہ عباسی اور حمدِ ربِّ جلیل	پروفیسر محمد اکرم رضا
اصغر گونڈوی کی حمد نگاری	پروفیسر اسرار احمد سہاوری
حمد کا مطالعاتی تجزیہ	سلیم خان گمی
حمد و مناجات پر ایک نظر	پروفیسر جعفر بلوچ
ذوالجلالِ والاکرام از حافظ لدھیانوی	ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی
سبحان اللہ العظیم از حافظ لدھیانوی	پروفیسر حفیظ تائب
تحقیق	ڈاکٹر سیّد عبداللہ
الحمد از مظفر وارثی	پروفیسر اسرار احمد سہاوری
لطیف اثر کا جدید حمدیہ انداز	شاعر لکھنوی
اسمِ الٰہیہ کا آئینہ خانہ	ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی
ذکرِ لطیف	محمد ولی رازی
لطیف اثر کی انفرادیت	حکیم پروفیسر امیر احمد عثمانی
اُردو کی حمدیہ شاعری اور حمدیہ قطعات	ڈاکٹر ریاض مجید
حمدیہ انشائیہ	پروفیسر اسرار احمد سہاوری
حمد اور حمدیہ شاعری: ایک خیال	پروفیسر غلام رسول عدیم
منیر الحق کعبی کا غیر مطبوعہ حمدیہ کلام	پروفیسر محمد اقبال جاوید
مولانا راسخ عرفانی کی حمد نگاری	سجاد مرزا
خواجہ عابد نظامی کی حمدیہ شاعری	پروفیسر محمد اکرم رضا
اسرار احمد سہاوری اور حمدِ باری تعالیٰ	محمد اقبال انجم
محمد اکرم رضا کے حمدیہ کلام پر ایک نظر	پروفیسر غلام رسول عدیم
ڈاکٹر سعید اقبال کی حمدیہ شاعری میں عشق کے روشن چراغ	امجد حمید محسن
حمد، حامد اور محمود	عبدالحق ظفر چشتی
حمد اور نعت کا تعلق	راجا رشید محمود
نذرِ خدا از مضطر خیر آبادی	نور محمد قادری

پنجابی شاعری وچ حمد نگاری احسان اللہ طاہر

ان مضامین کے ساتھ ساتھ اس حمد نمبر میں متعدد قدیم و جدید شعرا کے حمدیہ کلام کا ذخیرہ یقیناً حمدیہ ادب پر کام کرنے والوں کے لیے فائدہ مند رہے گا۔

کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد'' کراچی

''جہانِ حمد'' اُردو کا اوّلین کتابی سلسلہ ہے جس کی اشاعت کا آغاز طاہر سلطانی کی ادارت میں حمدیہ ادب کے فروغ کے لیے کیا گیا۔ اس کتابی سلسلے کی پہلی اشاعت جون ۱۹۹۸ء میں سامنے آئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طاہر سلطانی نے حمدیہ ادب کے فروغ کے لیے اپنی شبانہ روز محنتوں سے ایک سازگار فضا پیدا کر لی ہے۔ اب ان کے زیرِ انتظام حمدیہ مشاعروں میں شرکت کرنے والے متعدد شعرا صاحبِ کتاب حمد گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ابتدائی شماروں میں حمدیہ ادب پر کچھ مضامین کو دیکھ کر اندازہ ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے لکھنے والوں کو اس موضوع کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بعد کی اشاعتوں میں یہ جذبہ بہ وجوہ ماند پڑتا دکھائی دیا۔ حمدیہ ادب کے فروغ کے لیے جاری ہونے والے اس رسالے میں مختلف عنوانات سے نمبر مرتب ہونے لگے اور بعض شخصیات پر بھی نمبر شائع ہوئے۔ ان خاص نمبروں پر درج تو حمد و نعت نمبر ہی کیا جاتا رہا، لیکن ان میں سے بیشتر مضامین نعتیہ ادب سے تعلق رکھتے تھے۔ رسالے کی یہ اشاعتیں بھی یوں تو مذہبی ادب کے باب میں اپنی ایک اہمیت رکھتی ہیں، لیکن جس بنیادی مقصد سے اس کا آغاز ہوا تھا، رسالہ اُس سے بہر حال دُور ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ جن شعرا پر یہ نمبر مرتب کیے گئے ہیں اگر ان کے حمدیہ کلام ہی پر مضامین لکھوا کر پیش کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو یہ بھی حمدیہ ادب کی ایک اہم خدمت ہوتی۔ جیسا کہ ''جہانِ حمد'' کے علامہ اقبال نمبر اور خواتین نمبر میں اس بات کا خصوصی اہتمام نظر آتا ہے۔ ''جہانِ حمد'' کے یہ نمبر بلاشبہ اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ کئی اچھے مقالے اس شمارے میں نظر آتے ہیں جو خود حمدیہ ادب کے مطالعات میں بھی اضافہ ہیں۔

''جہانِ حمد'' کے پہلے شمارے میں شامل مضامین کو حمدیہ و نعتیہ ادب کے تحت دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حمدیہ ادب پر مشتمل باب کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

حمد صنفِ سخن ہی نہیں، بلکہ ایمان کا حصہ ہے پروفیسر شفقت رضوی

حمد کیا ہے؟ شفیق الدین شارق

اُردو کی حمدیہ شاعری	ڈاکٹر سرور اکبر آبادی
سندھی میں حمدیہ کلام	پروفیسر آفاق صدیقی
حمد میں نعت کا پہلو	ادیب رائے پوری
حمدیہ شاعری میں جدید شعری اسالیب کی دھنک	ڈاکٹر عزیز احسن
شعرائے حیدرآباد (سندھ) کی حمد نگاری	ڈاکٹر شہزاد احمد
حمد کی برکتیں	ڈاکٹر شاہ محمد تبریزی
حمد، حسنِ کائنات اور انسان	بنتِ مقبول
اُردو کی حمدیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب	ڈاکٹر شہزاد احمد

بہرحال اُردو میں حمدیہ ادب کے حوالے سے جاری ہونے والے اس موضوعی جریدے کا سفر جاری ہے اور اس کے اب تک اُنیس شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں اُردو کے معروف محقق اور دینی موضوعات پر کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے نوجوان اسکالر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق نے ''جہانِ حمد'' کے مطبوعہ شماروں کا اشاریہ مرتب کر کے حمدیہ و نعتیہ ادب کے محققین کے لیے مواد کی تلاش اور حصول میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ سنا ہے کہ ''جہانِ حمد'' کا بیسواں شمارہ ''رسولِ اعظم نمبر'' کے عنوان سے آنے والا ہے۔

''خیال و فن'' لاہور (حمدِ باری تعالیٰ نمبر)

''خیال و فن'' کا حمدِ باری تعالیٰ نمبر فروری ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل اس جریدے میں تین مضامین اور ایک سو ایک شعرا کا حمدیہ کلام شامل ہے۔ آخر میں ایک حصہ پنجابی ادب کے حوالے سے بھی شامل ہے۔

کتابی سلسلہ ''نعت رنگ''، کراچی (حمد نمبر)

اگست ۱۹۹۹ء میں ''نعت رنگ'' کا ساتواں شمارہ بطور ''حمد نمبر'' اشاعت پذیر ہوا۔ اس شمارے کے مشمولات کچھ یوں ہیں:

ابتدائیہ	صبیح رحمانی
حمد و مناجات کی دینی و ادبی قدر و قیمت	مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
مبادیاتِ حمد	رشید وارثی

اُردو کی حمدیہ شاعری میں فلسفیانہ رجحان	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط
حمد، عبدِ شکور کا فخر اور عبدِ مجبور کا سہارا	پروفیسر محمد اقبال جاوید
اُردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط
حمدیہ شاعری پر تنقید	ڈاکٹر عاصی کرنالی
حمد و مناجات ہندی اور اُردو ادب میں	ڈاکٹر سیّد وقار احمد رضوی
اُردو مثنوی میں حمد و مناجات	ڈاکٹر سیّد عبدالباری
حمد و مناجات بیسویں صدی میں	ڈاکٹر طفیل احمد مدنی
ہندو شعرا کی حمد نگاری	نور احمد میرٹھی
ابوالعتابیہ ابونواس اور اسمٰعیل صبری کی حمدیہ شاعری	ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
سعدی کی حمد و مناجات	ڈاکٹر محمد ثناء اللہ عمری
فارسی حمد و مناجات میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کا مقام	ڈاکٹر محمود الحسن عارف
کلامِ اقبال میں حمد و مناجات	مولانا عبیداللہ کوٹی
حافظ لدھیانوی کی حمدیہ شاعری	پروفیسر حفیظ تائب
مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ	ڈاکٹر عزیز احسن
ایک حمد کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عزیز احسن

اس کے علاوہ پچیّس شعرا کا حمدیہ کلام اس خصوصی اشاعت میں شامل ہوا۔ اہلِ علم کے مطابق یہ نمبر حمدیہ ادب پر ایک سنجیدہ اور علمی و فکری دستاویز کے طور پر سامنے آیا تھا۔

سہ ماہی ''مفیض'' گوجرانوالہ (حمد نمبر دوم، مطبوعہ ۲۰۰۳ء)

''مفیض'' کا دوسرا حمد نمبر ۲۰۰۳ء میں سامنے آیا جس کے مشمولات درجِ ذیل ہیں:

اللہ اکبر، حمد قرآن و حدیث کی ضو پاشیوں کے جھرمٹ میں	پروفیسر محمد اکرم رضا
پتھر میں آگ (پاکستان میں شائع ہونے والا پہلا مجموعہ حمد)	پروفیسر محمد اقبال جاوید
سیّد غلام معین الدین کی حمد نگاری	احسان اللہ طاہر
طاہر سلطانی کی حمد نگاری	احسان اللہ طاہر
مرزا عزیز چغتائی کی حمد نگاری	پروفیسر اسرار احمد سہاوری

عطا حسین کلیم کا حمدیہ رنگ	احسان اللہ طاہر
محبت خان بنگش کا حمدیہ کلام	احسان اللہ طاہر
حمد کے رنگ	محمد اقبال نجمی
حمد کیا ہے	محمد اقبال نجمی
سرچشمہ حمد از سائرہ حمید تشنہ	محمد اقبال نجمی
علامہ اقبال کی اُردو شاعری میں حمدِ باری تعالیٰ	اختر علی اکمل
سہیل غازی پوری کی حمد نگاری	سجاد مرزا
حمدیہ انتخابات کا خصوصی مطالعہ	احسان اللہ طاہر
افسر ماہ پوری کی حمد	احسان اللہ طاہر
خلیق قریشی کی حمد	احسان اللہ طاہر
ساحر شیوی کی حمد نگاری	احسان اللہ طاہر
سیّد افتخار حیدر کی حمد نگاری	پروفیسر اسرار احمد سہاوری
عزیز الدین خاکی کی حمد	محمد اقبال نجمی
سجاد سخن کی حمد نگاری	پروفیسر اسرار احمد سہاوری

ان مضامین کے بعد پنجابی حمدیہ شاعری کی سات کتابوں پر تبصرے پنجابی زبان میں شامل کیے گئے ہیں۔اس نمبر میں بھی حمدیہ کلام کا خاصا وقیع ذخیرہ شامل ہے۔

ماہنامہ ''نعت''، لاہور (حمدِ خالق)

جنوری ۲۰۰۳ء میں ماہنامہ ''نعت'' نے شمارہ نمبر ا جلد ۱۶ کو ''حمدِ خالق'' کے عنوان سے پیش کیا۔ یہ بنیادی طور پر ایک انتخابِ حمد ہے جسے ۲۰۰۳ء ہی میں نعت کدہ لاہور کی جانب سے کتابی شکل میں بھی پیش کیا گیا۔

ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کراچی

اُردو میں حمدیہ ادب کا اوّلین ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کا اجرا فروری ۲۰۰۴ء میں ہوا۔ بہ حیثیت مدیر طاہر سلطانی کی سبقت کا ایک اور سنگِ میل ہے اور ان کے اس موضوع سے خاص تعلق کا آئینہ دار بھی۔ اس ماہنامے نے اب تک ایک سو پچیّس شمارے پیش کیے ہیں جن کی مجموعی

صورتِ حال ''جہانِ حمد'' سے کچھ خاص مختلف نہیں ہے، مگر طاہر سلطانی نے ان شماروں میں حمدیہ شاعری کا ذخیرہ جمع کر کے یقیناً اہم کام کیا ہے۔ ''ارمغانِ حمد'' کے کئی شمارے جو انھوں نے مختلف اوقات میں اپنی زیرِنگرانی منعقد ہونے والے حمدیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے حمدیہ کلام پر مشتمل مرتب کیے یا مختلف اصنافِ سخن میں حمدیہ کلام کا جو انتخاب ''ارمغانِ حمد'' کے خصوصی شماروں میں سامنے آیا وہ حمدیہ ادب پر کام کرنے والوں کے لیے ہمیشہ چراغِ راہ کا کام سرانجام دے گا۔ ان شاءاللہ۔

سہ ماہی ''عقیدت''، سرگودھا (۲۰۰۴ء)

سہ ماہی ''عقیدت'' سرگودھا کا پہلا شمارہ ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اشاعت کے مقاصد بتاتے ہوئے رسالے کے مدیر شاکر کنڈان نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے ذریعے نعتیہ ادب کو فروغ دیا جائے گا۔ ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے ہونی چاہیے، اس لیے ''عقیدت'' کے پہلے شمارے کو حمد و وحدانیت کے لیے مخصوص کیا جا رہا ہے۔ مدیر نے جس خیال کا اظہار کیا، اُس میں شامل نگارشات بھی اس کی پوری تائید کرتی ہیں۔ مشمولات کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

اسماءالحسنٰی	سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی
حمد	میاں فضل احمد حبیبی
توحید اور مرکزیت	حکیم محمد سعید
حمدِ الٰہی اور نماز	کرنل (ر) سیّد مقبول حسین
نظریۂ توحید	محمد بشیر رانجھا
حمد کیا ہے؟	شاکر کنڈان
اور جب دل منور ہوتا ہے	ممتاز امیر
غیر مسلم اردو شعرا کی حمد نگاری	ادارہ

منظومات میں اردو اور پنجابی حمدوں کا ایک وقیع حصہ شامل ہے، جب کہ شمارے کے آخری صفحات پر پرویز شامی کی ایک حمد انگریزی زبان میں بھی پیش کی گئی ہے۔

ماہنامہ ''قرطاس''، ناگپور (حمد و مناجات نمبر ۲۰۰۶ء)

ماہنامہ ''قرطاس'' ناگپور کا شمارہ نمبر ۷ تا ۱۰، جلد ۱۹، جولائی اکتوبر ۲۰۰۶ء اس کے حمد و

مناجات نمبر کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس خصوصی اشاعت کا اعلان رسالے کے مدیر محمد امین الدین نے اُسی وقت کر دیا تھا جب ۲۰۰۵ء میں ''قرطاس'' کا نعت النبی ﷺ نمبر شائع ہوا تھا۔ حمد و مناجات نمبر میں حمدیہ ادب کے مختلف موضوعات پر اُنیس مقالات شامل کیے گئے ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

حمد ومناجات کے تناظر میں قرآن کا اسلوبِ بیاں	ڈاکٹر حاجی ابوالکلام
حمد ومناجات (شرعی روشنی میں)	منظور الحسن منظور
حمد ومناجات کی تاریخی، تہذیبی اور فنی روایت	ڈاکٹر محمد بشیر الدین
حمد کی دینی وادبی قدر وقیمت	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
حمد ومناجات کی اہمیت وضرورت	قاضی رؤف انجم
قدیم حمدیہ شاعری میں شعری محاسن	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط
دکنی مثنویوں میں مناجات کی روایت	ڈاکٹر مجید بیدار
غزل گوشعرا کی حمدیہ شاعری	فراغ روہوی
حمد ومناجات	ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن
حمد ومناجات کے باب میں ''بالِ جبریل'' کی پہلی غزل کا مطلع	محمد بدیع الزماں
ناگپور میں حمد ومناجات کی روایت	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل
آکولہ میں حمدیہ ومناجاتی شاعری	ڈاکٹر اشفاق احمد
حیدرآباد میں حمدیہ ومناجاتی شاعری	شاغل ادیب
راجستھان کی حمدیہ شاعری اور ڈاکٹر فراز حامدی	رفیق شاہین
آرا کی حمدیہ شاعری	شمع یاسمین نازاں
کلیم جامی وارثی حمد ومناجات کے آئینے میں	ڈاکٹر کبیر الدین وارثی
ساحل کی حمدیہ شاعری اور مناجاتی نغمے	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط
منصور اعجاز کی آزاد نظموں میں حمد ومناجات	عاجز ھنگسن گھاٹی
مہاراشٹر میں رائج درسی کتب میں حمد ومناجات	ہارون رشید عادل

ان مقالات کے علاوہ اس خصوصی نمبر میں مختلف ہیئتوں میں لکھی گئی ایک سو اٹھارہ حمدیں بھی شائع کی گئی ہیں۔ یہ حمد ومناجات نمبر ایک خصوصی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

''جہانِ نعت'' (حمد ومناجات نمبر، بھارت، ۲۰۱۳ء)

غلام ربانی فدا کی زیرِ ادارت ہندوستان سے شائع ہونے والے اس نعتیہ رسالے کا ساتواں شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء حمد ومناجات نمبر کے طور پر سامنے آیا ہے۔ مضامین کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

حمد ومناجات کے تناظر میں قرآن کا اسلوبِ بیاں	ڈاکٹر حاجی ابوالکلام
قدیم حمدیہ شاعری میں شعری محاسن	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط
حمد ومناجات	ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن
اردو حمد کا ارتقا	طاہر سلطانی
ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی اردو میں حمد ومناجات پر کچھ مفروضات	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
ڈاکٹر محمد علی اثر کی حمدیہ شاعری	علیم صبا نویدی

علاوہ ازیں شمارے میں ایک گوشہ طاہر سلطانی پر شامل کیا گیا ہے جس میں ان کا ایک انٹرویو، ان پر ایک مضمون اور مختلف اہلِ قلم کی صاحبِ گوشہ پر آرا کو جمع کیا گیا ہے۔

رسائل وجرائد کے حمد نمبر کی ان تفصیلات کے بعد حمدیہ ادب پر شائع ہونے والی چند اہم کتابوں پر بھی ایک نظر ڈالنا اس موضوع کے جائزے میں مفید ہوگا۔

اذانِ دیر (طاہر سلطانی)

طاہر سلطانی کی مرتبہ اس کتاب پر ''غیر مسلم شعرا کے حمدیہ کلام وکوائف پر مشتمل منفرد انتخاب'' کے الفاظ درج ہیں۔ اس لیے اس کتاب کو تذکرے کے ذیل ہی میں دیکھنا چاہیے۔ ۱۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دسمبر ۱۹۹۷ء میں ادارہ چمنستانِ حمد ونعت نے شائع کی ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں ۴۹ شعرا کا حمدیہ کلام شامل ہے، جب کہ دوسرے باب میں ان کے کوائف جمع کیے گئے ہیں۔ کتاب میں پروفیسر شفقت رضوی، نور احمد میرٹھی، شہزاد احمد، صبیح رحمانی اور طاہر سلطانی کے مضامین وتاثرات شامل ہیں۔

حریمِ ناز میں صدائے اللہ اکبر (طاہر سلطانی)

ادارہ چمنستانِ حمد ونعت کے زیرِ اہتمام حمد گو خواتین کا یہ تذکرہ ۱۹۹۹ء میں کراچی سے

شائع ہوا۔ کتاب پر پروفیسر آفاق صدیقی، پروفیسر شفقت رضوی، خواجہ رضی حیدر، عزم بہزاد، رشید وارثی، شہزاد احمد، پروفیسر مقصود، پروفیسر معظم علی امجد، ابنِ مختار انصاری، اور طاہر سلطانی کے مضامین وتأثرات موجود ہیں۔ اس تذکرے میں ننانوے حمد گو شاعرات کا تذکرہ اور کلام پیش کیا گیا ہے۔

اُردو میں حمد ومناجات (ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط)

مارچ ۲۰۰۰ء میں میری خواہش اور تحریک پر ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی معرکہ آرا کتاب ''اُردو میں حمد ومناجات''، فضلی بُک سپر مارکیٹ کراچی نے شائع کی۔ حمد یہ ادب پر یہ اوّلین کتاب اپنے موضوع کی تاریخ وارتقا اور تجزیہ وتفہیم کے کئی زاویوں کو دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کتاب کو پانچ عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) اُردو میں حمد یہ شاعری تاریخ وارتقا (۲) اُردو کی حمد یہ شاعری میں فلسفیانہ رُجحان (۳) اُردو کی متصوفانہ حمد یہ شاعری (۴) اُردو کی مناجاتی شاعری (۵) قرآن کا اثر اُردو کی حمد یہ شاعری پر۔ کتاب کی اہمیت ومقبولیت کے باعث بعدازاں اس کا ہندوستانی ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں کلکتہ سے شائع کیا گیا۔

اُردو میں حمد گوئی: چند گوشے (پروفیسر شفقت رضوی)

پروفیسر شفقت رضوی اُردو کے اہم محقق اور بے باک نقاد کے طور پر اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے تھے۔ ''اُردو میں حمد گوئی: چند گوشے''، ان کے حمد یہ ادب پر لکھے گئے مختلف موضوعات پر مشتمل مضمون کا مجموعہ ہے، جسے جہانِ حمد پبلی کیشنز کراچی نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں چار مضامین شامل ہیں، (۱) حمد، صنفِ سخن ہی نہیں، ایمان کا حصہ ہے (۲) حمد ونعت اصنافِ سخن ہیں یا نہیں (۳) حمد ونعت کو عقیدہ اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے (۴) ذکرِ خدا غیر مسلم شعرا کے کلام میں۔ دوسرے حصے میں مفتی سرور لاہوری، مضطر خیر آبادی، مظفر وارثی، طفیل دارا، حافظ لدھیانوی، لطیف اثر، مسرور بدایونی، انوار عزمی، شیبا حیدری، منصور ملتانی، گہر اعظمی، جمیل عظیم آبادی، اجمل نقشبندی اور طاہر سلطانی کے مطبوعہ حمد یہ مجموعوں پر مضامین شامل ہیں۔

اُردو حمد کا ارتقا (طاہر سلطانی)

اگست۲۰۰۴ء میں زیورِطبع سے آراستہ ہونے والے۹۳۲صفحات پر مشتمل یہ کتاب اپنے عنوان کی مناسبت سے جس محنت اور وسیع ادبی وفکری نکتہ وری کا تقاضا کرتی تھی وہ تو اس کتاب میں کہیں نظر نہیں آتی۔ درحقیقت کتابی شکل میں پیش کیا جانے والا یہ سارا لوازمہ اسی عنوان سے ''جہانِ حمد'' شمارہ نمبر۱۴، ستمبر۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے، جسے بعدازاں کتابی شکل میں بغیر کسی اضافے کے من وعن شائع کر دیا گیا ہے۔ طاہر سلطانی کے اخلاص اور محنت کو دیکھتے ہوئے اس کو محض ان کی سادگی ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ کتاب بنیادی طور پر حمد گو شعرا کے انٹرویوز اور تذکرے پر مبنی ہے۔ جسے بآسانی حمدیہ ادب کا ایک جائزہ کہہ کر متعارف کروایا جاسکتا تھا۔ بہرحال حمدیہ ادب پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب بطور تذکرہ حوالہ جاتی ضرورت کو پورا کرسکتی ہے۔

تذکروں کا ذکر چھڑا ہے تو اسی مقام پر ان چند تذکروں پر بھی کیوں نہ ایک نظر ڈالی جائے جو شعرا کے کوائف اور کلام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

گلشنِ حمد (طاہر سلطانی)

جنوری ۲۰۰۵ء میں شائع ہونے والے اس تذکرے کو کتاب کے سرورق پر ''غیر مسلم شعرا کا اوّلین تذکرہ وحمدیہ کلام'' کے عنوان سے حصہ اوّل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں ۶۷ غیر مسلم شعرا کے حمدیہ کلام اور کوائف کو جمع کیا گیا ہے جن میں سے بیشتر کا ذکر ''اذانِ دیر'' میں ہو چکا ہے، لیکن اس کتاب میں تذکرے کو مزید بہتر انداز اور سلیقے سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

گلبانگِ وحدت (نوراحمد میرٹھی)

نوراحمد میرٹھی کا نام عصرِ حاضر میں اُردو کے نام ور اور معتبر تذکرہ نویسوں میں ہوتا ہے۔ ان کا ذوقِ تحقیق اور ماخذات تک رسائی کی تگ ودو اور نوادرات کی جستجو میں محنت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اُردو کے کسی اور تذکرہ نگار نے شاید ہی ہماری دینی اصنافِ سخن کو وہ اہمیت دی ہو جو نوراحمد میرٹھی نے دی ہے۔ ''بہرزماں بہرزباں''، ''نورِسخن''، ''گلبانگِ وحدت'' اور ''بوستانِ عقیدت'' ان کے وہ تذکرے ہیں جو غیر مسلموں کی حمد، نعت اور رثائی کلام کے نایاب ذخائر پر مشتمل ہیں اور پھر ان شعرا کے کوائف کے ساتھ اس سرمایۂ علمی کی حیثیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ''گلبانگِ وحدت'' غیر مسلموں کی حمدیہ شاعری کا ایک وقیع انتخاب اور شعرا کے حالات وکوائف

پر مبنی تذکرہ ہے۔ ادارہ فکرِ نو کراچی کی جانب سے یہ تذکرہ ۲۰۰۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ کتاب پر ڈاکٹر معین الدین عقیل، شاہ بلیغ الدین، ماجد خلیل اور نور احمد میرٹھی کے مضامین و تأثرات شامل ہیں۔ ۲۱۱ر شعرا و شاعرات کے کلام اور تذکرے پر مشتمل یہ کتاب حمدیہ ادب پر کام کرنے والوں کے لیے حوالہ جاتی اہمیت کی حامل ہے۔

اُردو میں حمدیہ ادب کی روایت ابتدائی دور سے ملتی ہے، مگر جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا، اس صنف کو اہلِ نقد و نظر اور ہمارے ادب کے مرکزی دھارے میں وہ جگہ نہیں مل پائی جس کا یہ بجا طور پر مستحق ہے۔ اصل میں حمدیہ ادب کے سلسلے میں بھی ہمارے یہاں بالخصوص ناقدین کی اکثریت کی طرف سے ایک حیران کن لاتعلقی اور افسوس ناک فروگزاشت کے رویے کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک عرصے تک یہی معاملہ نعتیہ ادب کے ساتھ بھی رہا ہے۔ تاہم گزشتہ تین چار عشروں میں نعت اپنے تحقیقی اور تنقیدی سفر میں بہت آگے نکل چکی ہے، مگر حمد جیسی قدیم اور عظیم صنفِ سخن کا سارا تخلیقی و تحقیقی سفر سامنے رکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس کام کو مزید بہت تخلیقی توانائی اور تحقیقی زاویوں سے ہماری بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔

آیئے، اب لگے ہاتھوں حمدیہ ادب کے تخلیقی سفر کے اس اشاریے میں ان کتابوں کی ایک فہرست بھی دیکھ لی جائے جو خالصتاً حمدیہ شاعری پر مبنی ہیں:

مطبوعہ حمدیہ مجموعے

۱۔ دیوانِ حمدِ ایزدی (دیوان)	مفتی غلام سرور لاہوری	۱۸۸۰ء	لاہور
۲۔ مناجات ہندی	کنہیالال	۱۸۷۳ء	لاہور
۳۔ نشیدِ ایمان (دیوان)	مولانا محمد حسین تمنا مرادآبادی	۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء	مرادآباد
۴۔ مناجات در بارۂ توحید	حکیم غلام محی الدین	۱۹۰۳ء	لاہور
۵۔ نغمۂ توحید	ملک۔۔۔	۱۹۰۹ء	لاہور
۶۔ تحفۂ حقانی	شیخ محمد خاں خادم قریشی	۱۹۱۱ء	گوجرانوالہ
۷۔ حمد نامہ	شیخ عبداللہ خان عبدی	۱۹۰۷ء	گوجرانوالہ
۸۔ نذرِ خدا (دیوان)	مضطر خیرآبادی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء	آگرہ
۹۔ حمد و مناجات	خیر النساء بہتر حسنی	۱۳۴۳ھ/۱۹۲۳ء	لکھنؤ

۱۰۔یادگارِ اظہر	سیّد دلدار حسین اظہر	۱۹۳۳ء	حیدرآباد دکن
۱۱۔خدا کی قدرت	مولوی خرم علی	س ن (اندازِ قیامِ پاکستان کے وقت کا ہے	حیدرآباد دکن
۱۲۔بابِ کرم	سیّدہ امۃ اللہ تسنیم حسنی	۱۹۵۶ء	لکھنؤ
۱۳۔مناجات بہ اسماء الحسنٰی	سیّد عبدالسبحان قادری	۱۹۶۸ء	حیدرآباد دکن
۱۴۔مناجاتِ کرم	درد کاکوروی	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء	کراچی
۱۵۔آہِ سرد	درد کاکوروی	۱۹۷۲ء	کراچی
۱۶۔وجود و مشہود	عطا کلیانوی	۱۹۷۳ء	حیدرآباد دکن
۱۷۔پتھر میں آگ	عبدالسلام طور	۱۹۸۰ء	لاہور
۱۸۔تضمین بر مناجات صدیق اکبر	عزیز صابری، عزیز احسن	۱۹۸۰ء	کراچی
۱۹۔الحمد	مظفر وارثی	۱۹۸۴ء	لاہور
۲۰۔لاشریک	طفیل دارا	۱۹۸۵ء	لاہور
۲۱۔ذوالجلالِ والاکرام	حافظ لدھیانوی	۱۹۸۶ء	فیصل آباد
۲۲۔مناجاتِ بدر	بدرالقادری	۱۹۸۷ء	اعظم گڑھ
۲۳۔صحیفہ حمد	لطیف اثر	۱۹۸۸ء	کراچی
۲۴۔سبحان اللہ وبحمدہٖ	حافظ لدھیانوی	۱۹۹۰ء	فیصل آباد
۲۵۔سبحان اللہ العظیم	حافظ لدھیانوی	۱۹۹۰ء	فیصل آباد
۲۶۔بحضورِ حق تعالیٰ	کاوش زیدی	۱۹۹۰ء	فیصل آباد
۲۷۔صحیفۂ ذات	لطیف اثر	۱۹۹۲ء	کراچی
۲۸۔قلم سجدے	لالہ صحرائی	۱۹۹۳ء	کراچی
۲۹۔حمدیہ قطعات	مسرور بدایونی	۱۹۹۴ء	فیصل آباد
۳۰۔خالقِ ذوالجلال	ابرار کرت پوری	۱۹۹۴ء	دہلی
۳۱۔اللّٰھم (غیر منقوط)	لطیف اثر	۱۹۹۶ء	کراچی
۳۲۔خدائے ذوالجلال	محبت خان بنگش	۱۹۹۶ء	کوہاٹ

۳۳۔زمزمہ حمد	خواجہ محمد کریم عباسی	۱۹۹۶ء	گوجرانوالہ
۳۴۔دعائے غنی	صوفی عبدالغنی قادری	۱۹۹۷ء	کراچی
۳۵۔کلیدِ بابِ رحمت (طبع ششم)	سیّد خیر النساء بہتر حسنی	۱۹۹۸ء	لکھنؤ
۳۶۔حمد نامہ	شیبا حیدری	۱۹۹۸ء	کراچی
۳۷۔تیری شان جل جلالہٗ	محمد مشرف حسین انجم	۱۹۹۹ء	لاہور
۳۸۔اللہ اکبر	گہرا عظمی	۱۹۹۹ء	کراچی
۳۹۔طلوعِ حمد	لطیف اثر	۲۰۰۰ء	کراچی
۴۰۔حمد میری بندگی	طاہر سلطانی	۲۰۰۰ء	کراچی
۴۱۔الرحمٰن	جمیل عظیم آبادی	۲۰۰۰ء	کراچی
۴۲۔العظمت للہ	رشک ترابی	۲۰۰۱ء	سرگودھا
۴۳۔رب العالمین	سجاد سخن	۲۰۰۱ء	کراچی
۴۴۔مناجات	سیّد وحید اشرف کچھوچھوی	۲۰۰۲ء	احمد آباد
۴۵۔بابِ کرم (طبع پنجم)	سیّدہ امۃ اللہ تسنیم حسنی	۲۰۰۲ء	لکھنؤ
۴۶۔الحمدللہ	عزیز الدین خاکی	۲۰۰۲ء	کراچی
۴۷۔الحمدللہ	نصیر احمد نصیر سراجی	۲۰۰۲ء	بنارس
۴۸۔تری ہی حمد و ثنا	علیم النسا ثنا	۲۰۰۲ء	کراچی
۴۹۔زبورِ سخن	تنویر پھول	۲۰۰۲ء	کراچی
۵۰۔حمد و مناجات	منصور ملتانی	۲۰۰۲ء	کراچی
۵۱۔اللہ الصمد	نگار فاروقی	۲۰۰۲ء	کراچی
۵۲۔مناجات	انجم نیازی	۲۰۰۲ء	راول پنڈی
۵۳۔معراجِ تخیل	نعمان فاروق	۲۰۰۲ء	اسلام آباد
۵۴۔حمدیہ رباعیات	راغب مراد آبادی	۲۰۰۳ء	کراچی
۵۵۔محامدِ باری تعالیٰ	خطیب گلشن آبادی	۲۰۰۳ء	کراچی
۵۶۔سجدے	رشید قیصرانی	۲۰۰۳ء	اسلام آباد
۵۷۔ثنائے کبریا	یونس ہویدا	۲۰۰۴ء	کراچی

۵۸۔محمود الوری	محمد ہارون ارشد	۲۰۰۴ء	لاہور
۵۹۔الاھو	مشکور حسین یاد	۲۰۰۴ء	لاہور
۶۰۔حریمِ حمد	منیر الحق کعبی	۲۰۰۴ء	گجرات
۶۱۔کعبۂ اخلاص	ظفر ہاشمی	۲۰۰۴ء	کراچی
۶۲۔قسامِ ازل	ابرار کرت پوری	۲۰۰۴ء	دہلی
۶۳۔ارمغانِ حمد	شاعر علی شاعر	۲۰۰۵ء	کراچی
۶۴۔مناجاتِ ہاتف	سیّدہ امۃ اللہ تسنیم حسنی	۲۰۰۵ء	لکھنؤ
۶۵۔جبینِ نیاز	عابدہ کرامت	۲۰۰۵ء	کراچی
۶۶۔الرحمٰن الرحیم (حمدیہ سانیٹ)	تنویر پھول	۲۰۰۵ء	کراچی
۶۷۔نغمۂ حمد	محمد اقبال نجمی	۲۰۰۵ء	گوجرانوالہ
۶۸۔حمد میں نعت	راجا رشید محمود	۲۰۰۵ء	لاہور
۶۹۔للہ الحمد	شاداب ذکی بدایونی	۲۰۰۶ء	بدایوں
۷۰۔قلم کی سجدہ ریزیاں	منتخب احمد نور ثقلینی	۲۰۰۶ء	بدایوں
۷۱۔ربِّ کائنات	اعجاز چشتی	۲۰۰۶ء	لاہور
۷۲۔معراجِ قلم	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	کراچی
۷۳۔سجودِ تحیت	راجا رشید محمود	۲۰۰۷ء	لاہور
۷۴۔حمدِ باری تعالیٰ	ع س مسلم	۲۰۰۷ء	لاہور
۷۵۔اللہ	محمد علی اثر، ڈاکٹر	۲۰۰۷ء	حیدرآباد، دکن
۷۶۔خدائے شہ زمن	راجا رشید محمود	۲۰۰۸ء	لاہور
۷۷۔حمد کہوں تو ہو اُجیارا	ابرار کرت پوری	۲۰۰۸ء	دہلی
۷۸۔حمد و ثنا کی گونج	سراج الدین سراج	۲۰۰۸ء	کراچی
۷۹۔خالقِ دو جہاں	محمد رفیق مغل	۲۰۰۸ء	کراچی
۸۰۔دعائے دل	نعیم جلال پوری	۲۰۰۸ء	الہ آباد
۸۱۔دعائے نیم شب	نعمان فاروق	۲۰۰۸ء	اسلام آباد
۸۲۔ثنائے جلیل	نذیر فتح پوری	۲۰۰۸ء	پونا

۸۳۔ریاضِ حمد	محمد اقبال نجمی	۲۰۰۹ء	گوجرانوالہ
۸۴۔حمدیہ ہائیکو	محمد اقبال نجمی	۲۰۰۹ء	گوجرانوالہ
۸۵۔صدقِ صمیم	گستاخ بخاری	۲۰۰۹ء	فیصل آباد
۸۶۔تو خالق ہے تو مالک ہے	خورشید بیگ میلسوی	۲۰۱۰ء	لاہور
۸۷۔تحمیدِ رحمٰن	راجا رشید محمود	۲۰۱۰ء	لاہور
۸۸۔حمدِ خالقِ کائنات	محمد نواز میاں	۲۰۱۰ء	قصور
۸۹۔تحمید وثنا	رفیع الدین ذکی قریشی	۲۰۱۰ء	لاہور
۹۰۔الحمدللہ	محمد فرحت حسین خوشدل	۲۰۱۰ء	دہلی
۹۱۔الحمدللہ	محبوب راہی	۲۰۱۰ء	پونا
۹۲۔حرفِ ناتمام	منیر سیفی	۲۰۱۰ء	لاہور
۹۳۔ننانوے سجدے	محشر لکھنوی	۲۰۱۰ء	کراچی
۹۴۔کمالِ سخن	منظر عارفی	۲۰۱۱ء	کراچی
۹۵۔ربنا لک الحمد	جمال ناصر	۲۰۱۱ء	مالیگاؤں
۹۶۔حمدِ کردگار	طاہر سلطانی	۲۰۱۱ء	کراچی
۹۷۔اللہ اکبر	حیدر بیابانی	۲۰۱۱ء	مہاراشٹر
۹۸۔العظمت للہ	گہرا عظمی	۲۰۱۱ء	کراچی
۹۹۔رب کے حضور	شاداب ذکی بدایونی	۲۰۱۲ء	بدایوں
۱۰۰۔رب العزت	سجاد سخن	۲۰۱۲ء	کراچی
۱۰۱۔میزابِ رحمت	راجا رشید محمود	۲۰۱۲ء	لاہور
۱۰۲۔تحمیدِ کردگار(حمدیہ دیوان)	گستاخ بخاری	۲۰۱۳ء	فیصل آباد
۱۰۳۔احد احد	خیال آفاقی	۲۰۱۳ء	کراچی
۱۰۴۔ابتدائے سخن	دل نواز دل	۲۰۱۳ء	لاہور
۱۰۵۔الٰہ کی خوشبو	عارف رضا	۲۰۱۳ء	فیصل آباد
۱۰۶۔اعتراف	عبدالمجید چٹھہ	۲۰۱۴ء	لاہور
۱۰۷۔للہ الحمد	محمد اقبال نجمی	۲۰۱۴ء	گوجرانوالہ

۱۰۸۔یاحی یاقیوم	ڈاکٹرغنی عاصم	۲۰۱۴ء	لاہور
۱۰۹۔حرفِ لاشریک	امین بنارسی	۲۰۱۴ء	کراچی
۱۱۰۔ترے نشاں شام وسحر	نصیراحمر	۲۰۱۴ء	لاہور
۱۱۱۔تفسیرِ الٰہ	گستاخ بخاری	۲۰۱۴ء	فیصل آباد
۱۱۲۔حرفِ شانِ لاشریک	امین بنارسی	۲۰۱۴ء	کراچی
۱۱۳۔ربّ عالمیں	مہروجدانی	۲۰۱۵ء	کراچی
۱۱۴۔ربّنا	نورین طلعت عروبہ	۲۰۱۵ء	اسلام آباد
۱۱۵۔سائیں	حسن عباسی	۲۰۱۵ء	لاہور
۱۱۶۔لایموت	ناصرملک	۲۰۱۵ء	لیّہ
۱۱۷۔اے رحیم اے کریم	قمروارثی	۲۰۱۶ء	کراچی
۱۱۸۔تو کہاں میں کہاں	فراغ رہوی	۲۰۱۶ء	کلکتہ
۱۱۹۔کلیاتِ حمد (چھ مجموعے)	راجارشید محمود	۲۰۱۶ء	کراچی
۱۲۰۔اسماءالحسنٰی	ڈاکٹرمسعوداقبال	۲۰۱۶ء	لاہور
۱۲۱۔وللہ الحمد (غیرمنقوط)	خورشید ناظر	۲۰۱۷ء	بہاول پور
۱۲۲۔لامحدود	ریاض حسین چودھری	۲۰۱۷ء	لاہور
۱۲۳۔ارحم	گستاخ بخاری	۲۰۱۷ء	فیصل آباد
۱۲۴۔لم یزل	عبدالمجید چٹھہ	۲۰۱۷ء	لاہور
۱۲۵۔نالہ شب گیر	شجاعت علی راہی	۲۰۱۷ء	سوات
۱۲۶۔یااللہ	محمد بشیر رزمی	۲۰۱۷ء	لاہور
۱۲۷۔حمدیہ ترویبنیاں	مشرف حسین انجم	۲۰۰۱۸ء	سرگودھا
۱۲۸۔توشیح اسماءالحسنٰی	خورشید ناظر	۲۰۱۸ء	بہاول پور
۱۲۹۔کعبہ لے چلو	اخلاق گیلانی	۲۰۱۸ء	لاہور
۱۳۰۔اللہ اکبر	نسیم خان سیما	۲۰۱۸ء	فیصل آباد
۱۳۱ربنا لک الحمد (دیوان)	ریاض مجید	۲۰۱۸ء	فیصل آباد
۱۳۲۔اِلّا ھُو	بلال رشید	۲۰۱۸ء	لاہور

۱۳۳۔حمدیہ ساقی نامہ	محمد اقبال نجمی	۲۰۱۹ء	گوجرانوالہ
۱۳۴۔حمدِ ربِّ عظیم	محمد اقبال نجمی	۲۰۱۹ء	گوجرانوالہ
۱۳۵۔عطائے رب العالمین	محمد اقبال نجمی	۲۰۱۹ء	گوجرانوالہ
۱۳۶۔سرچشمہ حمد	سائرہ حمید تشنہ	سن ندارد	لاہور

حمدیہ ادب کی ترویج واشاعت میں حمدیہ منتخبات کا بھی ایک بڑا حصہ ہے جس کا تذکرہ ضروری ہے، تاکہ حمدیہ ادب کی طرف شعرا کی رغبت اور التفات کا عصری احوال پوری طرح سامنے آسکے۔اس نوع کے انتخاب ہماری کئی نسلوں کی عقیدتوں کا آئینہ خانہ ہیں جن میں ہم ان کے جذباتِ عبودیت اور شعری محاسن دونوں ہی کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

گلدستۂ مناجات	سیّد زوار حسین شاہ نقشبندی	۱۹۷۳ء	دہلی
نغماتِ روح	ادارہ ایم ایم سعید اینڈ سنز	۱۹۷۱ء	کراچی
مناجاتِ مقبول	عبدالغفور قریشی	۱۹۷۱ء	کراچی
نغمۂ توحید	صوفی محمد عبدالغفار صابری	۱۹۸۱ء	لاہور
خدائے محمد	گل بخشالوی	۱۹۹۲ء	کھاریاں
خزینۂ حمد	طاہر سلطانی	۱۹۹۶ء	کراچی
الف اللہ	مرتضیٰ اشعر	۱۹۹۷ء	ملتان
مالکِ ارض وسما	قمر وارثی	۱۹۹۹ء	کراچی
وہی خدا ہے	شہزاد احمد	۲۰۰۱ء	کراچی
خواتین کی حمدیہ شاعری	غوث میاں	۲۰۰۲ء	کراچی
مناجاتِ اولیا	عبدالمالک العتیق	۲۰۰۲ء	لاہور
انتخابِ حمد	غوث میاں	۲۰۰۳ء	کراچی
حمدِ خالق	راجا رشید محمود	۲۰۰۳ء	لاہور
انتخابِ مناجات	طاہر سلطانی	۲۰۰۳ء	کراچی
ربِّ خیر البشر	قمر وارثی	۲۰۰۴ء	کراچی
قادر و قیوم ذات	قمر وارثی	۲۰۰۹ء	کراچی
عرفانِ ربِّ کائنات	قمر وارثی	۲۰۱۴ء	کراچی

اللہ اکبر زاہد رشید ۲۰۱۹ء کراچی

حمد نگاری کی تخلیقی رفتار اور اشاعتی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب حمد یہ ادب کے سلسلے میں اعلیٰ تعلیمی و تدریسی سطح پر ہونے والی تحقیقی سرگرمیوں پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے تا کہ اُردو میں حمد یہ ادب کے فروغ و ارتقا کے مجموعی منظر نامے میں اس جہت میں ہونے والے کام کا بھی اندازہ ہو سکے۔

اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر (۱۹۹۸ء)

عاصی کرنالی پاکستان کے معروف شاعر و ادیب تھے۔ ان کی شاعرانہ سرگرمیوں میں نعت گوئی کو ہمیشہ تقدم حاصل رہا۔ وہ بطور استاد ملازمت سے سبک دوش ہوئے تو انھوں نے حمد و نعت کو اپنے تحقیقی مقالے کے لیے منتخب کیا اور ''اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' کے موضوع پر ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں ایک مقالہ لکھا۔ اس مقالے پر بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان نے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ جون ۲۰۰۱ء میں یہ مقالہ ''اقلیمِ نعت'' کراچی سے شائع ہوا۔ یہ مقالہ اگرچہ خالصتاً حمد یہ شاعری کا احاطہ نہیں کرتا، مگر اس میں حمد و نعت دونوں اصناف پر فارسی شعری روایت کے اثر کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور یوں اس میں حمد یہ شاعری کا بھی خاطر خواہ مطالعہ اور ایک تاریخی تناظر بھی قائم ہوا ہے، اس لیے اس کو حمد یہ شاعری کے کسی بھی جائزے میں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ مقالے کے ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا باب: حمد اور نعت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم، عربی اور فارسی میں اس کے نقوش و آثار اور اُردو شاعری پر اثرات

دوسرا باب: اُردو شاعری میں حمد و نعت کی روایت اور اس کے محرکات

تیسرا باب: حمد یہ و نعتیہ شاعری کا موضوع اور اس کے فنی لوازم و مقتضیات

چوتھا باب: قدیم ادوار سے عصرِ حاضر تک حمد نگاری و نعت نگاری کا جائزہ فارسی شعری روایت کے حوالے سے۔

پانچواں باب: عصرِ حاضر کے مقتضیات و مسائل کے پیشِ نظر حمد نگاری و نعت نگاری کی روایت سے نئے مطالبات

نتائج۔ حواشی۔ کتابیات۔ ضمیمہ

اُردو میں حمد نگاری — آغاز وارتقا (۲۰۰۴ء)

نعت ریسرچ سینٹر انڈیا سے شائع ہونے والے حمد ونعت کے مؤقر جریدے ''دبستانِ نعت'' شمارہ ۳ر مطبوعہ ۲۰۱۸ء میں رشید اختر خاں کا ایک مضمون بعنوان ''حمد ونعت کی تحقیق وتنقید ہندوستان کی یونی ورسٹیوں میں سمت ورفتار'' شائع ہوا۔اس مضمون میں ہندوستانی جامعات میں حمد ونعت پر پینتیس سے زائد تحقیقی مقالات کی نشان دہی کی گئی ہے۔جس میں ''اردو میں حمد نگاری کا آغاز وارتقا'' کے عنوان سے بھی ایک مقالے کا ذکر بھی ہوا ہے۔فراہم کردہ معلومات کے یہ تحقیقی مقالہ (برائے پی ایچ ڈی) طلعت حسن نے ۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر میر محبوب حسین کی نگرانی میں مکمل کیا، جس پر انھیں حیدرآباد یونی ورسٹی سے ڈگری عطا کی گئی۔

اُردو میں حمد نگاری کی روایت (۲۰۰۸ء)

نعت ریسرچ سینٹر انڈیا کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے کتابی سلسلے ''دبستانِ نعت'' کی دوسری کتاب کے صفحہ نمبر ۶۴ پر ممتاز نعت شناس ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا ایک مضمون بعنوان ''حمد ونعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالات کا تعارف'' شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی نگرانی میں کام کرنے والے اپنے ایک طالبِ علم محمد اظہار کے بارے میں یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ اس نے ''اُردو میں حمد نگاری کی روایت'' کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔اس مقالے کو کانپور یونی ورسٹی نے ۲۰۰۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے۔ یہ مقالہ تاحال غیر مطبوعہ ہے اور اس کی کوئی عکسی نقل بھی باوجود کوشش کے دستیاب نہیں ہوسکی۔ اس لیے صرف اتنی ہی معلومات پیشِ نظر ہیں جو ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد نے اپنے مذکورہ مضمون میں فراہم کی ہیں۔ان تفصیلات کے مطابق یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ حمد: مفہوم وماہیت
۲۔ عربی وفارسی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت
۳۔ اُردو میں حمد نگاری کی روایت: آغاز سے ۱۷۱۸ء تک
۴۔ اُردو میں حمد نگاری کی روایت: ۱۷۱۸ء سے ۱۸۵۷ء تک
۵۔ اُردو میں حمد نگاری کی روایت: ۱۸۵۷ء سے عصرِ حاضر تک

۶۔ اُردو میں حمد نگاری کی ادبی وشعری قدر و قیمت

ابواب کی اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقالہ اُردو میں حمد نگاری کے عہد بہ عہد جائزے کو پیش کرتا ہے۔ حمد یہ ادب کی طرف عدم توجہی کے اس ماحول میں ایسے مقالے کو ضرور شائع ہونا چاہیے تا کہ بطور صنفِ سخن حمد یہ ادب کے مطالعات کو تاریخ اور رجحانات کے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جا سکے۔

پاکستانی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت (ایک تحقیقی جائزہ ۲۰۰۸ء)

اکبر علی غازی نے پروفیسر ڈاکٹر سیّد اختر جعفری کی نگرانی میں یہ تحقیقی مقالہ برائے ایم فل شعبہ پاکستانی زبانیں وادب، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی پاکستان سے ۲۰۰۸ء میں مکمل کیا۔ یہ مقالہ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

باب اوّل حمد نگاری کی روایت

باب دوم پاکستانی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت

باب سوم پاکستانی زبانوں کی حمد نگاری، موضوعاتی اشتراک

باب چہارم پاکستانی زبانوں میں حمد نگاری صنفی اشتراک

باب پنجم حاصلات، ممکنات، سفارشات (محاکمہ) کتابیات

مقالہ نگار نے ان ابواب کے کئی ذیلی عنوانات قائم کر کے بڑی تفصیل سے اپنے موضوع کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مقالہ تحقیقی معیارات کی پاس داری میں کامیاب نظر آتا ہے۔

اُردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت ۲۰۱۴ء

نامور شاعر و ادیب پروفیسر جعفر بلوچ صاحب کی صاحبزادی سعدیہ حسن صاحبہ نے ''اُردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت'' کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ڈاکٹر نفیس اقبال کی نگرانی میں لاہور کالج ویمن یونیورسٹی سے جون ۲۰۱۲ء میں مکمل کیا۔ اس مقالے پر ۵/دسمبر ۲۰۱۴ء کو ڈگری ایوارڈ ہوئی۔ مقالہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ابواب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

باب اوّل حمد و مناجات تمہیدی مباحث

باب دوم جنوبی ہند کی شاعری میں حمد و مناجات نگاری

باب سوم شمالی ہند کی شاعری میں حمد و مناجات نگاری
باب چہارم حمد و مناجات جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک
باب پنجم تقسیم ہند سے عصر حاضر تک حمد و مناجات نگاری
باب ششم عصر حاضر کے ممتاز نعت گویان اُردو کی حمد نگاری
باب ہفتم اُردو کے حمدیہ مجموعے تحقیق و تنقیدی جائزہ
باب ہشتم حمد و مناجات کے متفرق پہلو
نتائج۔ مصادر و مراجع

پاکستان میں اُردو حمد گوئی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ۱۹۴۷ء تا ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر افضالہ شاہین نے یہ مقالہ ڈاکٹر آفتاب احمد ثاقب کی نگرانی میں ۲۰۱۴ء میں مکمل کیا۔ اس مقالے کی تکمیل پر انھیں نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد نے پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔ بعد ازاں اسی یونی ورسٹی نے اس مقالے کو ۲۰۱۶ء میں شائع کیا۔ مقالے پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مقالہ نگار نے پاکستان میں حمد گوئی کے سلسلے میں ہر قسم کی سرگرمیوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور محنت سے ان کی تفصیلات کو قلم بند کیا ہے۔ چھ ابواب پر مشتمل یہ مقالہ اپنے ذیلی عنوانات کے تحت خاصی تفصیل اور عرق ریزی سے صنفِ حمد کی روایت و ارتقا کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ ابواب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

باب اوّل حمد کا مفہوم اور اُردو حمد گوئی کی روایت
باب دوم پاکستان میں اُردو حمد گوئی کا پہلا دور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۴ء
باب سوم پاکستان میں اُردو حمد گوئی کا دوسرا دور ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۹ء
باب چہارم اُردو حمد گوئی کا جدید دور ۱۹۹۸ء تا ۲۰۱۱ء
باب پنجم دورِ جدید میں حمدیہ مجموعہ نگاری کا رُجحان
باب ششم پاکستان میں حمد کا فروغ کچھ مزید جہتیں

پاکستانی اردو غزل میں حمدیہ و نعتیہ عناصر (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ۲۰۱۶ء)

محمد کاشف ضیا خان نے ''پاکستانی اردو غزل میں حمدیہ و نعتیہ عناصر — تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' کے نام سے ایک مقالہ (برائے ایم فل اردو) ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۶ء میں ڈاکٹر سفیان صفی کی

نگرانی میں مکمل کیا جس پر انھیں ہزارہ یونی ورسٹی مانسہرہ سے ڈگری عطا کی گئی۔ مقالہ نگار اپنے موضوع کا احاطہ کرنے میں خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ یہ مقالہ حمدیہ شاعری پر غور وفکر کے تازہ امکانات سامنے لانے کی ایک عمدہ کوشش ہے۔

باب اوّل: غزل — لغوی اصطلاحی مفہوم

باب دوم: اردو غزل میں حمدیہ ونعتیہ عناصر کی روایت وارتقا (از ابتدا تا ۱۹۴۷ء)

باب سوم: پاکستانی اردو غزل میں حمدیہ عناصر (۱۹۴۷ء تا حال)

باب چہارم: پاکستانی اردو غزل میں نعتیہ عناصر (۱۹۴۷ء تا حال)

باب پنجم: حاصلِ تحقیق۔ کتابیات

''نذرِ خدا'' کا فکری وفنی جائزہ (۲۰۱۸ء)

جمال عبدالناصر نے اردو کے باکمال اور صاحبِ اسلوب شاعر مضطر خیرآبادی کے حمدیہ دیوان ''نذرِ خدا'' پر ایک تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اردو ڈاکٹر ریاض مجید کی نگرانی میں ۲۰۱۸ء میں مکمل کیا ہے۔ فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز رفاہ انٹرنیشنل یونی ورسٹی، فیصل آباد کیمپس سے مکمل ہونے والے اس مقالے کو ۲۰۱۹ء میں ڈگری عطا کی گئی۔

مضطر خیرآبادی اپنے عہد میں پوری آب وتاب سے چمکنے کے باوجود ایک عرصے سے اردو ناقدین کی مسلسل غفلت اور سرد مہری کا شکار رہے ہیں۔ ''نذرِ خدا'' کا فکری وفنی جائزہ جیسا مقالہ لکھ کر مقالہ نگار نے نہ صرف اردو کے اس اہم شاعر کے احوال وآثار کو محفوظ کر دیا ہے، بلکہ ان کے کلام کی فنی وفکری جہتوں کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔ مقالہ نگار نے اپنی معلومات کے مطابق ''نذرِ خدا'' کو اردو کا دوسرا حمدیہ دیوان قرار دیا ہے۔ یہ بات درست نہیں، اردو کا دوسرا حمدیہ دیوان ''نشیدِ ایمان'' مطبوعہ (۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء) ہے جس کے مصنف مولانا محمد حسین تمنا مرادآبادی ہیں۔ بہرحال حمدیہ ادب کے مطالعات کو وسعت دینے کے سلسلے میں اس مقالے کو ہمیشہ اہمیت سے دیکھا جائے گا۔ مقالے کے ابواب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

باب اول: مضطر خیرآبادی — احوال وآثار

باب دوم: حمد — تمہیدی مباحث

باب سوم: ''نذرِ خدا'' کے فکری وفنی موضوعات

باب چہارم: ''نذرِ خدا'' کے فنی خصائص ماحصل۔ مصادر ومراجع

حمد سے مخصوص رسائل وجرائد، حمدیہ ادب کے سلسلے میں ہونے والے تحقیقی وتنقیدی کام

اور مجموعہ ہائے کلام کی ان تفصیلات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، یہ احساس اور گہرا ہو جاتا ہے کہ اس صنفِ ادب میں اتنا کام ضرور ہو چکا ہے کہ اس کے صنفی اور ہیئتی خدوخال نہ صرف پوری طرح واضح ہیں، بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صنف اپنے منفرد نقوش اور اسالیب کے ساتھ اپنی شناخت کا سفر طے کر کے ادب کے مرکزی دھارے میں شامل ہو چکی ہے۔ تاہم دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرکزی دھارے کی دوسری اصنافِ ادب اور ان کے حوالے سے جو کام ہو چکا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس صنف میں ابھی اتنا اور ایسا کام نہیں ہوا ہے، جیسا کہ ہونا چاہیے۔ حالاں کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں اردو شعر و ادب اور بالخصوص مذہبی ادب و سخن کی ایک دیرینہ اور مستحکم روایت ہے۔ اس روایت کو دیکھتے ہوئے یہ توقع بے جا بھی نہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے ہاں ادب و شعر کے جو اعلیٰ معیارات ہیں، اُن کو دیکھتے ہوئے بھی یہ بات نہایت ذمے داری سے کہی جا سکتی ہے، اس شعبے میں بھی اس سطح اور معیار کو پہنچنا بجا طور پر ممکن ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس باب میں اب تک آخر اس سطح کا کام کیوں نہیں ہوا؟ اس سادہ سے سوال کا تفصیلی جواب آپ کو زیرِ نظر گزارشات کے گزشتہ صفحات میں بڑی حد تک مل جائے گا۔ تاہم اس موقعے پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ہمارے یہاں حمد نگاری کو ادبی، فکری اور فنی تناظر میں اتنے وسیع سیاق و سباق میں تنقیدی نگاہ سے دیکھنے اور اس کا ادبی صنف کی حیثیت سے جائزہ لینے اور محاکمہ کرنے کی یہ مقدور بھر کوشش پہلی بار ہو رہی ہے۔ اللہ رب العزت اس کو سعیِ مشکور بنا دے۔ یہ بھی دعا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس کام کو اعلیٰ تر صلاحیتوں والے تخلیق کار اور تنقید نگار میسر آئیں۔

آخر میں اس امر کا اعتراف بھی ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ بے شک حمد یہ ادب میں ہمارے یہاں ابھی کام کی بہت ضرورت اور گنجائش ہے، لیکن جو کام اب تک ہوا ہے، وہ بہر حال اس لائق ہے کہ اُس پر توجہ دی جائے، اسی انہماک اور ذمے داری سے جس طرح ادب کے مرکزی دھارے میں شامل دوسری اصناف پر دی جاتی ہے۔ اُس کے حالیہ معیار کو دیکھتے ہوئے ہی اُس سے آئندہ کی توقعات وابستہ کی گئی ہیں۔ اس احساس کے اظہار میں کوئی تکلف مانع نہیں ہے کہ ادب کے سیکولر ذہنوں اور خصوصاً ناقدین کی عدم توجہی نے اس صنفِ ادب کو روکنے اور اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی اپنی سی تو پوری کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود جو کام ہوا ہے، وہ اس کے اثبات اور فروغ کا مستند حوالہ ہے اور اس کے روشن مستقبل کا بین ثبوت بھی۔

طاہر سلطانی کی حمدیہ شاعری کا انتقادی مطالعہ

محسن اعظم محسن ملیح آبادی

ہر وہ بات حمد ہے جو انسانی شعور وادراک اور مشاہدے کے آئینہ خانے میں منعکس ہوجائے۔ جب انسانی آنکھ مظاہر ومرئیات کو دیکھتی ہے تو معاً ایک مابعدالطبیعاتی تصور دل کی نگاہ کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے جو خود بخود کسی ذاتِ ماورا کی طرف ذہن کو منتقل کر دیتا ہے۔ عقل انسانی جرح وتعدیل کے عمل سے گزرنے کے بعد آخر ھواللہُ احد کی طرف منعطف ہوجاتی ہے۔ اور خالقِ کائنات ومعبودِ مطلق کا احساس دلاتی ہے۔ ذاتِ واحد کا تصور مبدءِ حمد وثنا بن کر عالمِ امکاں کی ہر چیز پر محیط ہوجاتا ہے۔ انسان ذاتِ واجب الوجوب کے صحیح ادراک سے قاصر ہے لیکن اُس کا وجدانِ سلیم یقین دلاتا ہے کہ ہے۔ کوئی ذات جو واجب الوجود ہے اور وہ اپنی صفات میں بھی بالذات ہے۔ اُس کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی حادث نہیں، قدیم ہیں۔ وہ غیر منقسم ہیں اور انسانی اوصاف سے ان کو مماثل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ذات کے ساتھ اس کی صفات کا اقرارِ زبانی وقلبی لازمی ہے۔

اللہ ہی ہر علت کی علتِ واحد ہے۔ اسی لیے فلاسفہ کی زبان میں اُسے علت العلل بھی کہتے ہیں۔ وہ فاعل مطلق ہے۔ ہر علت کو حرکت وعمل اور تغیر بخشتا ہے۔ مثلاً کوئی دہقان، اگر بیج بوتا ہے اور اُسے سیراب کرتا ہے، وہ بیج پھر درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کی قوتِ نامیہ، نشوونما، اس میں حرکت وتغیر سب کچھ اللہ، خالقِ کائنات کے ارادہ وامر کے تابع ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے: **وما امرنا الا واحدة كلمح بالبصر** (ہماری ایجاد میں ہمارا حکم، صرف ایک حکم ہے اور اس کا عرصہ پلک جھپکنا ہے) اشیائے کائنات اپنی صندوں اور فقدان یعنی ہونے اور نہ ہونے سے پہچانی جاتی ہیں لیکن اللہ کے لیے حدوث وزوال نہیں۔ وہ حیی وقیوم ہے، ادراکِ انسانی سے بلند ہے۔ اللہ کی ذات کو ہم امثلہ سے سمجھنے کی سعی کرتے ہیں۔ ہماری یہ امثلہ اگرچہ ناقص محض ہیں کیونکہ مخلوقات سے اس کی مثالیں دینا صرف اپنے تذبذب کو یقین کی روشنی پہنچانا ہے۔ اللہ کے عرفان کے لیے سب سے مدلل مثال خود انسان کی ذات ہے جو اپنی معرفت کے نور میں اُسے پہچان سکتا ہے۔ خود آگہی وہ کینوس ہے جس پر تصورِ توحید اور ذات آفرینِ عالم کی

صفات کے انوار میں تکوینی مشاہدات کی گواہی کے ساتھ دیکھنے لگتا ہے اور انسان میں جو شک اور انکار کی موجیں سر اُٹھانے لگتی ہیں، خود شناسی کی روشنی میں انکار کی نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں اور یقین کی حرارت بڑھتی جاتی ہے اور وہ عین الیقین کی منزل پالیتا ہے۔

جزو سے کل کا اعتبار، نہروں سے دریا کا اعتبار، روشنی سے سورج کا اعتبار ہے، جو مخلوق ہیں۔ خدا، اپنی مخلوقات سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی لیے حمد کہنے میں رب العالمین کی مخلوقاتِ فزئی سے اس کی قدرت وصفات کو علامات بنایا جاتا ہے۔ ارشادِ قرآن حکیم ہے کہ: ''ہر چیز میں اس کے لیے نشانیاں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ بلاشبہ وہ ایک ہے۔'' کائنات مع اپنی جملہ اشیا کے مٹ جانے والی ہے۔ ارشادِ ربی ہے: **کل شیءٍ هالك الا وجهه** '(ہر چیز فانی ہے سوائے اس ذات کے) وجود باری تعالیٰ ہر نفس سے پاک ہے۔ اس کا ظہور جو مظاہرِ عالم سے سمجھا جاتا ہے۔ وہ اتحاد و حلول سے منزہ ہے۔ اشیاء میں اس کا ظہور بالکل اس طرح ہے جیسے آفتاب کی شعاعیں ہر پاک اور ناپاک چیز پر منعکس ہوتی ہیں مگر وہ شعاعیں ناپاک نہیں ہوتیں۔

تصورِ توحید، شریعت وطریقت میں جس انداز سے ملتا ہے، اسی روشنی میں طاہر سلطانی اپنی حمود میں لاتے ہیں۔ ان کی حمدوں میں کسی اعتبار سے بھی شرکِ جلی و خفی کا نقص موجود نہیں۔ اُن کے اکثر اشعار اس حقیقت کا مظہر ہیں کہ یہ کائنات آئینہ خانہ ہے، اس میں ذات واجب الوجود کے صفاتی انوار نظر آتے ہیں۔ اُن کے بعض اشعار میں متکلمین اسلام اور فلاسفہ جس طرح ذات کو واجب الوجوب مانتے ہیں، اسی طرح اہلِ طریقت کا بڑا طبقہ واجب الوجود کو، وحدت الوجود اور وحدت الشہود ہی کی روشنی میں دیکھتا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)

لفظ اللہ ''اسمِ علم'' ہے۔ یہ خدائے عزوجل کا ذاتی نام ہے۔ باقی جتنے اسمائے الٰہی ہیں، وہ صفاتی ہیں۔ اللہ، واجب الوجود کی تمام صفات اور کمالات کا جامع ہے۔ لفظ اللہ سے کسی کو بھی مخاطب نہیں کیا جاسکتا۔ اُس کا درست ترجمہ کسی بھی زبان میں بھی ممکن نہیں۔ اس لفظ کی جمع بھی نہیں ہے۔ قدیم شعرائے عرب کی شاعری سے بھی اس کی سند ملتی ہے۔ انھوں نے بھی ذاتِ واجب الوجود ہی کے لیے استعمال کیا ہے۔ قرآن میں بھی یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ جملہ صفات کی مجتمع ہستی، رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا لفظ ''دو ہزار پانچ سو چوراسی'' مرتبہ آیا ہے۔ یہ کسی لفظ سے مشتق بھی نہیں ہے۔

عبرانی، سُریانی، آرامی، کلدانی، حمیری اور عربی زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ ملتا ہے یعنی اللہ کا مادہ الف، لام، ہ، ہے جو مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً عبرانی کا اُلوہ، سریانی اور کلدانی کا الاہیا اور عربی کا الٰہ جو حرفِ تعریف کے اضافے کے بعد اللہ بن گیا جس کے حقیقی معنی حیرت واستعجاب اور درماندگی کے ہیں۔ اللہ کے ادراک ہیں، انسان مجبور و عاجز محض ہے اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں تحیر میں رہتا ہے۔ اس تناظر میں لفظ اللہ ذاتِ واجب الوجوب کے لیے بولا جانے لگا۔ اس لفظ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ رب العالمین کی ذات کے ساتھ اس کی صفات کی معنوی جامعیت کا بھی حامل ہے۔ اس روشنی میں توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی العبادات پر قائم رہنا حقیقی بندگی اور اللہ کے اقرار کا صحیح مفہوم ہے۔ رب کریم کی ذات کے اقرار کے ساتھ صفات کا بھی اقرار لازمی ہے۔ ایمان باللہ کے حقیقی معنی میں یہ شامل ہے: ارشاد رب العالمین ہے:

قل امنت بالله کما ھو اباسمائہٖ وصاتہٖ
وقبلتُ جمیع احکامہٖ
''تُو کہہ! کہ میں ایمان لایا اللہ پر جیسے کہ وہ اپنے
ناموں سے اپنی صفات کے ساتھ ہے اور میں
نے اس کے تمام احکام قبول کیے۔''

جناب طاہر سلطانی کی حمدوں میں ایسے اشعار بھی کم نہیں جن میں باری تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم وصفت کا ذکر بالتصریح یا بالکنایہ موجود نہ ہو۔ حمدیہ ادب، خواہ عربی ہو یا فارسی یا اُردو یا کسی دیگر زبان کا، اُس کا بڑا حصہ اسماء وصفات کی جلوہ گری سے معمور ہے۔ ذاتِ باری کی جلوہ گری اور ادراک تو کسی کے بس کا نہیں لیکن ربِ عالم نے اپنے اسما وصفات کی تجلیاں مختلف انداز میں کائناتی کینوس پر بکھیر دی ہیں۔

جناب طاہر سلطانی اُس طبقہ شعرا سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے شفاف آئینے تلاش کرتے ہیں۔ اُن کے لفظیات کا ذخیرہ روزمرہ بول چال سے منتخب ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری کی اہم خوبی سلاست وروانی ہے۔ وہ سہلِ ممتنع کی کارگہِ شیشہ گری کے آئینہ گر ہیں مگر ان کے اندازِ سہلِ ممتنع میں فکری ومعنوی جمال کمزور نظر نہیں آتا۔ اُن کے حسی پیکر شفافیت کے لباس میں نظر آتے ہیں۔ اُن کا اسلوبِ بیان سادہ ہے مگر پُر تاثیر ہے اور اپنے لہجے

میں انفرادیت کا آئینہ دار ہے۔ان کی شاعری میں زندگی ہے،شعریتِ حرکی،عقیدت آفرینی دل کو اپنے گرفت میں لے لیتی ہے۔شاعرِ موصوف بنیادی طور پر حمد ونعت کے شاعر ہیں،اُن دونوں اصناف میں شعریت سمونا آسان کام نہیں لیکن انھوں نے اپنی حمدوں اور نعتوں میں استحسانِ شعریت کا سحر پھونک دیا ہے۔حمد ونعت ایسی اصناف ہیں جنھیں پڑھ کر عقیدتاً سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ یہ سر جھکانا شعر کی تعریف میں نہیں بلکہ خالقِ عالم کی ربوبیت اور اس کے حبیب کی رسالت کے احترام اور ایمان وایقان کے سبب ہوتا ہے مگر اُن کی حمد اور نعوت اپنے شعری جمال و دلکشی کے حقیقی استحسان سے بھی لب ریز ہیں۔اس تناظر میں جناب طاہر اپنے ہم عصر حمد اور نعت گوشعرا میں انفرادیت کے حامل ہیں۔اپنے مقام ومنزلتِ شاعری میں اُن سے کاندھے سے کاندھا ملائے کھڑے ہیں۔وہ فکر وموضوعات اور طرزِ اظہار میں کسی اعتبار سے کمزور نہیں ہیں۔

جناب طاہر سلطانی کی شاعری محاسن وصنائع سے خالی نہیں۔جو علامات اور لوازماتِ شعری لاتے ہیں وہ نہایت عام فہم ہوتے ہیں۔اُن میں غرابت کا نقص موجود نہیں ہوتا۔وہ اسقام ومعائبِ سخن سے بڑی حد تک بچتے ہیں۔ژولیدگیِ بیان، اثقال اور تنافرِ حروف، ابہام واہمال، تعقیب وتعقیدِ لفظی ومعنوی، تنافرِ کلمات، توالی اضافت، اخلال، ضعف تالیف، تغیرِ الفاظ، ابتذال اور بے ضرورت فکِ اصناف اور صرفی ونحوی اصولوں کو نظر انداز کر دینا، خلافِ روزمرہ ومحاورہ زبان استعمال کرنا ان کے یہاں موجود نہیں۔ان کی حمدوں اور نعتوں کے اکثر اشعار اور مصارع ایجاز واختصار اور حسنِ برجستگی کی خوبی سے آراستہ ہیں۔انتقادی تناظر میں ان کی شاعری کی اصل صفت سادگی اور شستگی ہے۔ان کی حمدوں کے اکثر اشعار قرآنی احکامات سے مصور ہیں جنھیں وہ تلمیحی انداز میں لاتے ہیں۔اور انھیں سریع التاثیر بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ان کی حمدوں میں تمدیحی انداز کے ساتھ مناجاتی والتجائی طرز بھی ملتا ہے۔وہ اس ضمن میں قرآن حکیم کی سورۂ فاتحہ جو بندوں کی زبان میں نازل فرمائی گئی ہے،اُس میں حمدِ رب کریم کے بعد دعائیہ اور مناجاتی انداز ہے جس میں عبدیت کا بھرپور انداز موجود ہے۔اس سورۂ مبارکہ کے علاوہ بھی قرآن کریم میں انبیاء کی دعائیں ہیں جن میں حمد وثنا کے ساتھ التجا اور استمداد یت واستعانت بھی موجود ہے۔ دعا اور مناجات بھی حمدِ واجب الوجود کا ایک رخ ہے۔سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی دعا کی صورت میں ہیں۔قرآن حکیم میں جگہ جگہ دعا اور استغاثہ ملتا ہے۔شاعرِ موصوف اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں اور حمد وثنا کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے ہیں۔ایمان وایقان میں استقامت کے

لیے گزارش کرنا بھی ان کا شعار ہے، مثلاً:

مجھ کو ایمان کی دولت سے تونگر کردے
خیر کی راہ چلوں، دور ہر اک شر کردے
ہر اک شر سے میرے وطن کو بچانا
رہے سب بلاؤں سے یہ دور، یارب!

غیر کے آگے ہاتھ نہ پھیلے، اُس کی دے توفیق
میری زباں پر یہ ہی دعا ہے اے میرے رازق

اس میں کلام نہیں، دعا عبادت کی روح کا درجہ رکھتی ہے۔ دعا اظہارِ بندگی اور اطاعت وسپردگی کا اقرار ہے۔ میں نے ان کی حمدوں کا بالاستیعاب تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے حمد لکھنے کے آداب کو پوری طرح نبھایا ہے اور بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اُن کی حمدیں شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں پر پوری اترتی ہیں۔ ان میں شرکِ جلی تو درکنار، شرکِ خفی کا بھی شائبہ نہیں۔ یہ خوبی انھیں ان کے بہت سے معاصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ انتقادی تناظر میں وہ اس معاملے میں بے حد حساس، زیرک اور ذمے دار حمد گو شاعر کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری کا تانا بانا مستحکم اور اُس کی بنت ماہرانہ ہے۔ وہ احساسِ بندگی اور عظمتِ معبودیت کے درمیان خطِ فاصل کھینچنا چاہتے ہیں۔ اُن کی درونی اور برونی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس لیے اُن کا مشاہدہ سطحی نہیں۔ وہ بڑا عمیق اور جہات نگر ہے۔ وہ خالقِ عالم کی صنعتوں سے اپنی حمدیہ شاعری کے لیے مواد و موضوعات استنباط کرتے ہیں۔ اُن کی فکر معروضی بھی ہے اور موضوعی بھی۔ دونوں ہی طریقے سے اپنے حمدیہ کینوس پر اُس کی تجلیاتِ صفات کو شعری پیکروں میں ڈھالتے ہیں۔ اس انتقادی روشنی میں وہ مجھے احکامِ تکوینی و تشریعی میں سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔ اُن کی حمدیں رب عالم کی تخلیقات کی آب و ہوا میں پنپ رہی ہیں اور مزید مشق و ریاضت اور تجزیۂ شاعرانہ سے نکھار اور شعریت سمونے کے ہنر میں پختگی آئے گی۔ شعری نشتریت میں اضافہ ہوگا۔

جناب طاہر سلطانی فلسفہ الٰہیات کے عمیق و دقیق مسائل میں الجھ کر حمدوں کو مشکل نہیں بناتے۔ وہ صرف وہی افکار اپنی حمدوں میں سمیٹتے ہیں جو عام فہم ہوں اور معمولی استعداد کے قارئین بھی فیض یاب ہوسکیں۔ اشیائے کائنات کے تناظر میں، زود فہم اسرار و رموز کا اظہار اُن کی حمود

کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ چونکہ ایک باعمل صوفی اور طریقت کے راز آشنا ہیں، لہٰذا وہ فلسفۂ وحدت الوجود (ہمہ اوست) اور فلسفۂ وحدت الشہود (ہمہ از اوست) کی روشنی میں بھی اپنی حمدوں کے لیے مضمون تلاش کرتے ہیں۔ اس نازک ترین مرحلے سے بھی وہ بحسن وخوبی گزرتے ہیں اور ان کی حمدوں میں کہیں حلول واتحاد کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اصولِ حمد کے غیر شایانِ شان بات سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ اُن کی حمد حیات وکائنات سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ زندگی اور کائنات کے حرکت وعمل سے حمد وثنائے الٰہی کے دریچے کھولتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے داخلی وخارجی احساسات کو شایانِ حمد بنا کر شعری صورت گری کے عمل سے گزرتے ہیں۔ وہ کائنات کو ایک آئینہ خانہ سمجھتے ہیں۔ اس میں ذات واجب الوجوب کے بے شمار صفاتی انوار کے جلوے دیکھتے ہیں۔ آئینہ خانہ کائنات میں اَن گنت انداز اور حیثیت کے آئینے ہیں جو معبودِ عالم کی خاموش تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں۔ طاہر سلطانی انھیں دیکھ کر تحیر واستعجاب میں کھو جاتے ہیں۔ اُن کا، اُن آئینوں کو دیکھ کر کھو جانا ان کو غور وفکر کی جہت دکھاتا ہے۔ وہ جہت صفاتِ احدیت کی تجلیاں اور لمعاتی کیفیت سے اُن کا ذہن منور کرتی ہے اور وہ ایک شاعر ہونے کے ناتے اُسے شعر کی زبان بنا دیتے ہیں۔

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ طاہر سلطانی راہِ تصوف کے بھی راہرو ہیں۔ اُن میں شریعت وطریقت کا حسین امتزاج موجود ہے۔ ان کی طریقت سے وابستگی روایتی اور اندھے عقیدے کی پیرو نہیں۔ ان کا ذوقِ تصوف ومعرفت، شریعت وطریقت میں اس طرح گُندھا ہوا ہے کہ ان میں ہر خوب وزشت کے درمیاں خطِ امتیاز کھینچنے کا شعور پوری طرح موجود ہے۔ اس کیفیت نے ان میں مثبت فکر ونظر اور درست عقیدے کی روشنی پھیلا دی ہے۔ میں نے ان کے اعمال وافکار کی روشنی میں اُن کی زندگی کی بہت سی جہتوں کو تنقیدی تناظر میں پرکھا ہے۔ وہ بحیثیت انسان بھی بہت اچھے ہیں۔ اُن کے یہاں تصورِ توحید اور ذات واجب الوجوب سے محبت وعقیدت اور تصدیق بالجنان کا سونا بالکل کھرا ہے۔ جس کی چمک دمک نے ان میں عین الیقین کا نور بھر دیا ہے۔ طاہر سلطانی کے حمدیہ اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں یقین کی تمام صورتیں لغوی معنی سے بہت بلند ہیں۔ ان کا یقین، اُن کے صوفیانہ شعور کے تناظر میں خاص معرفتِ الٰہ کے سبب اصطلاحی ہے یعنی یقین کا پہلا درجہ شریعت کی روشنی میں تصورِ توحید، علم الیقین کا ہے۔ اس میں جس قدر خلوصِ عبدیت ہوگا، وہ عین الیقین کی شکل اختیار کرلے گا۔ یہ عین الیقین، ذاتِ واجب الوجود کی صفات جو کائنات میں مختلف اشکال وانوار میں پھیلی ہوئی ہیں، اُن

سے ذاتِ احد کا عرفان و آگہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد کا درجہ حق الیقین کا ہوتا ہے جو انبیاء و رسل کو حاصل ہوتا ہے اور بعض اہل اللہ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ شاعرِ موصوف کی حمدوں کی علتِ غائی اور علتِ فاعلی، ان کے صوفیانہ علم الیقین اور عین الیقین کا امتزاج رکھتی ہے۔ علماء، صوفیا اور مفکرین خدا کی ذات کے بارے میں غور و فکر کرنے سے منع کرتے ہیں اور یہ بات مذکورہ گروہ علماء و صوفیا اور مفکرین نے انبیاء و رسل کی تعلیمات اور خصوصاً ختمی مرتبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہے، اس لیے کہ ہر انسان وجدانِ سلیم نہیں رکھتا۔ اس کے گمراہ ہونے یا منکر ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اس نکتے کو سمجھ لینا ضروری ہے بلکہ انسان کتنا ہی عبقری الذہن اور نابغہ ہی کیوں نہ ہو، ذات و صفات الٰہی کی درست تفہیم سے قاصر ہے۔ اسی لیے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

تفکروا فی خلق اللہ و لاتفکروا فی اللہ

خدا کی ذات (وجود) پر غور و فکر نہ کرو بلکہ اُس کی مخلوق پر غور کرو۔

سید الانبیا کے اس ارشاد کی روشنی میں شاعر موصوف مظاہر و مخلوق ہی کے مشاہدے سے حمد و ثنا کا مواد اخذ کرتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

آسماں اور زمیں، گلشن و صحرا، دریا
خالقِ کل نے ہیں صد رنگ نظارے بخشے

وہ گلزار جس پر خزاں چھا گئی تھی
اُسے تُو نے پھر سے نکھارا الٰہی

آسماں پر جو چمکتے ہیں ستارے اُس کے ہیں
دن کو سورج کی ضیا، شب کو قمر اُس نے دیا

صبح اُس کی بہارِ نظر
شام اُس کی لگی دل نشیں

طاہر سلطانی کی حمدیہ شاعری میں کچھ ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جن میں تصوف کی چاشنی بھی ہے۔ حمدِ الٰہی کے ساتھ عشقِ ربِ ذوالجلال کا بھی اظہار ہے۔ حمد و متصوفانہ شاعری کے

امتزاج نے اُن کے ایک سچے صوفی اور اہلِ دل ہونے کی شہادت دی ہے۔ وہ اس اندازِ شاعری میں خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو نظر آتے ہیں۔

ذاتِ واجب الوجود، جو انسان کے عقل و شعور سے ماورا ہے، انسانی ادراک کی آنکھ اُسے دیکھنے سے قاصر ہے۔ وہ اپنے بندوں سے کس قدر قریب تر ہے، قرآن حکیم اس راز کو صریح انداز میں بیان کرتا ہے:

نحن اقرب من حبل الورید

ہم تمھاری رگِ گردن سے قریب تر ہیں۔

اس حقیقت کو جناب طاہر سلطانی نہایت سادگی سے سہلِ ممتنع میں ایجاز و اختصار کی خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

اس بات کی قرآن سے ملتی ہے شہادت
انسان کی شہ رگ سے قریں صرف خدا ہے

ایک ہی بات کو مختلف انداز میں لکھنے کا شاعرانہ ہنر، شاعرِ حمد و نعت جناب طاہر سلطانی کو بھی اللہ رب العزت نے ودیعت فرمایا ہے۔ اس عنایتِ رب تعالیٰ کا اظہار مندرجہ ذیل شعر بھی کرتا ہے:

میں حمد و نعت کو سو سو طرح بھی لکھتا ہوں
وہی تو ہے جو مجھے یہ خیال دیتا ہے

محولہ بالا شعر کے تناظر میں مندرجہ ذیل شعر بھی دیکھیے، جو شعریت کی موجِ نرم رو کی خوبی سے آراستہ ہے:

مرا اس بات پر کامل یقیں ہے مرے مولا! تُو شہ رگ سے قریں ہے

شعر میں کتنی روانی ہے جو سریع الاثر ہونے کی خوبی سے بھی معمور ہے۔ ایسے ہی رواں اور سلیس شعر مطبوع (آمد) کی تعریف میں آتے ہیں۔ شعر کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے شاعر خبر کو انشائی حسن کے ساتھ بیان کرنے پر قادر ہے۔ سادہ اسلوبِ بیان میں بھی شعریت کی نبض مدہم نہیں، سخن سنجی کا وجدان اسے محسوس کرتا ہے۔ ارشادِ ربی ہے:

وفی الارض اٰیت للموقنین وفی انفسکم افلاتبصرون

اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت

سی نشانیاں ہیں اور خود تمھاری ذات میں بھی اور
کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر یقینِ مکمل، زمیں کی مخلوقات ہی کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات وصفات کی واضح آگہی تو خود انسانوں کی ذات سے ہوتی ہے۔ اس کی معرفتِ حقیقی انسان خود اپنے عرفان سے کرسکتا ہے۔ صرف غور وتامل اور وجدانِ سلیم کی آنکھ سے اپنے آپ کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنے حکم کی صورت میں ہر چیز پر محیط ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:

من عرف نفسہٗ عرف ربہٗ
جس نے خود کو پہچانا، اُس نے رب کو پہچانا۔

شاعرِ موصوف کا مطالعۂ قرآن حکیم اُن کے اکثر حمدیہ اشعار میں شعریت کے ساتھ ڈھل گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

بندہ نوازی دیکھو! شہ رگ سے ہے قریں وہ
طاہرؔ نہیں تو فاصلہ بے حد دراز ہے

شہ رگ سے تُو قریں ہے ہر قلب میں مکیں ہے
تیرا قیام ہر جا اے مالکِ حقیقی!

یقیں ہے کہ شہ رگ سے بھی ہے قریں تر
نہیں ہے کسی سے بھی تُو دور یارب!

مندرجہ بالا اشعار بھی اسلوبِ بیان کی سادگی اور شگفتگی کے آئینہ دار ہیں، نہ تعقید لفظی ہے نہ معنوی۔ معمولی سی معمولی استعدادِ علمی رکھنے والا بھی آسانی سے حظِ شعریت سے محظوظ ہوسکتا ہے۔

خدا کے لیے لفظ ''نور'' کا استعارہ اہلِ طریقت اور اہلِ شریعت نے بطور تصریح ذاتِ الٰہ کے لیے استعمال کیا ہے۔ متکلمینِ اسلام اور بعض فلاسفر بھی نور سے ذات واجب الوجوب کے ادراک میں مدد لیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اللہ نور السموت والارض :اللہ زمین وآسمان کا نور ہے۔

اسی تناظر میں ایک شعر دیکھیں:

زمین وزماں ہو، مکاں لامکاں ہو
مسلم ہے ہر جا ترا نور یارب!

اللہ رب العزت کی صفات بھی بالذات ہیں، اُس کی صفتِ اختیار اور حاکمیت میں کوئی کسی طرح بھی ساجھی نہیں۔ اُس کی ذات ھوالکل ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اُسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔ اُسی کی قضا اور قدر میں ہر چیز گُندھی ہوئی ہے۔ عملِ ارتقا میں صرف اُسی کا ارادہ ومنشا شامل ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی سرِ مو باہر نہیں۔ وہی نگارندۂ آنات ہے۔ رات دن، اُسی کی حکمت اور اختیارِ کُل کے شاہد ہیں۔ مظاہرِ عالم اُسی کی حاکمیت مطلق کے سراپا حمد کناں ہیں۔ شاعرِ موصوف نے اسی حقیقت کی طرف مندرجہ ذیل شعر میں اظہار کیا ہے۔ روزمرہ کی زبان میں کتنی خوب صورتی سے مصور کر دیا ہے:

شب سے نکالے دن کو، نکالے وہ دن سے رات
ہر شے پہ اختیار ہے اُس کارساز کا

شاعر موصوف نے رب العالمین کے صانع مطلق ہونے کو دیکھیے کتنے خوب صورت ڈھنگ اور سہلِ ممتنع کے اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔ وہ اپنے صنائع سے پہچانا جاتا ہے۔ وجدانِ سلیم رکھنے والا مشاہدہ اشیائے عالم سے علم الیقین سے حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے اور ذات واجب الوجود کے اختیار وقدرت پر ایمان لائے بغیر نہیں رہتا۔ وہ اقرار زبانی وقلبی کرتا ہے اور مان لیتا ہے، کوئی ذات ہے جو نظامِ کائنات چلا رہی ہے، اُسی کو برتری حاصل ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

حکمِ رب ہے نبضِ ہستی چل رہی ہے رات دن
عالمِ کُل پر اُسی کی برتری ہے رات دن
چل رہا ہے حکمتِ رب سے نظامِ کائنات
مالکِ ارض وسما کی رہبری ہے رات دن

عقیدۂ آخرت ایک اہم موضوع ہے۔ طاہر سلطانی صاحب نے اسے بھی قرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ مرنے کے بعد وہ پھر اُٹھائے گا۔ زندگی اور موت اُسی کے اختیار میں ہے۔ شعر دیکھیے:

قبروں سے وہ مُردوں کو اُٹھائے گا یہ حق ہے
یہ عمر جو حاصل ہے ودیعت ہے خدا کی

قادر ہے ہراک شے پہ وہی مالک ومولا
صرف اُس کے تصرف میں فنااور بقا ہے

اللہ رب العزت ہی عدم سے وجود میں لاتا ہے اور وجود سے عدم میں لے جاتا ہے۔ وہی سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بناتا ہے، لیل ونہار کا خالق ہے۔

خلوصِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر چاہے جلی ہو یا خفی، وہ دل کو روحانی سکول بخشتا ہے۔ نفسِ امارہ زیر ہو جاتا ہے، نفسِ لوامہ مل جاتا ہے، احساسِ ذمہ داری اور خوفِ خدا سے دل معمور ہو جاتا ہے۔ آخری منزل اُس کی یہ ہے کہ نفسِ مطمئنہ حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر وقناعت، توکل، تحمل وبرداشت، استقامت کی صفات سے متصف ہو کر منزلِ راضیہ ومرضیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ارشادِ ربی ہے:

یاایتھا النفس المطمئنه ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة

اے نفسِ مطمئنہ والو! رجوع کرو تم اپنے رب کی طرف خوشی اور رغبت سے۔

سورۂ رعد کی ایک آیت میں فرمایا:

الا بذکر الله تطمئن القلوب :یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے دل سکون پاتے ہیں

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

واذکروا الله کثیرالعلکم تفلحون :اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم نجات پاؤ

جناب طاہر سلطانی قرآنی حکم کو نظر میں رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ جہانِ حمد ہے محفل سجی ہے حمد کی
ذکرِ رب سے ہے معطر نور ونکہت کا گلاب

خدا کی یاد کو رکھو مسلسل آئینہ دل کا
یہی یادِ خدا تو ہے حقیقی ناطقہ دل کا
وہ جس کے حکم سے ہے آمد ورفت نفس جاری

اُسی مالک سے رکھنا ہے ہمیشہ رابطہ دل کا
خدا کے ذکر سے معمور کرلے زندگی اپنی
کہ روزِ حشر بھی روشن رہے گا آئینہ دل کا
خیر البشر کا درس یہی بار بار ہے
ذکرِ خدا ہی دل کاسکون وقرار ہے

پیغام ملا ہے ہمیں قرآن سے طاہرؔ
دل کا تو سکوں صرف محبت ہے خدا کی

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: **اقم الصلوٰۃ لذکری**: تو نماز کو میری یاد کے لیے قائم کر

مجازاً ذکر کو نماز کے مفہوم میں بھی لیا جاتا ہے۔ رسمی ذکر تو نماز ہی ہے۔ غیر رسمی ذکر کئی طرح کے ہیں جو اہلِ شریعت اور اہلِ طریقت وعرفا کے بتائے ہوئے ہیں۔ مثلاً (۱) ذکر لسانی یا لفظی (۲) ذکرِ قلبی () ذکرِ روحی (۴) ذکر سرّی (۵) ذکرِ خفی (۶)، ذکرِ اخفی، (۷) اخفی الاخفی۔ اور پھر اہل سلوک مزید اذکار کے طریقے بھی اختیار کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار میں سے دوسرا اور تیسرا شعر اسلوبِ بیان کی خوبی کے ساتھ ساتھ فکری طور پر بھی گہری معنویت کا آئینہ دار ہے۔ خدا کی یاد کو حقیقی ناطقہ اور مالک سے رابطہ دل کا، اہلِ سلوک کی نظر میں ذکر اخفی الاخفی مراد ہے یعنی وہ ذکر جو ذکر اور ذاکر مطلوب۔ لذتِ ذکر علم لذت سب کچھ درمیان سے اُٹھ جائے اور صرف مطلوب رہ جائے۔ ذکر کا یہ مقام فنافی اللہ ہوتا ہے۔ جناب طاہر سلطانی سلوک وطریقت کے آدمی ہیں، وہ اذکار کے تمام مجازی وحقیقی طریقوں سے واقف ہیں اور وہ علم ان اشعار میں ڈھل گیا ہے۔ یہ ذکر، ذوقِ فی معرفتہ اللہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان شعروں میں وہ ایک صوفی فی الذوق نظر آتے ہیں۔ اس نہج کے شعر ان کے حمدیہ کلام میں اور بھی ہیں جو اپنی ظاہری اور معنوی خوبی سے بدرجہ اتم آراستہ ہیں۔

جناب طاہر سلطانی اپنی حمدیہ شاعری میں بہت سے موضوعات قرآن حکیم سے لیتے ہیں۔ مثلاً رب العزت نے جو مرتبہ جملہ مخلوقات میں انسان کو عنایت کیا ہے اور اس کے سر پر احسنِ تقویم اور عقل وشعور کا تاج سجا کر اپنے نائب ہونے کا مرتبۂ اعلیٰ تفویض کر دیا ہے۔ انسان کو جو اعزاز وفضیلت بخشی ہے، اس کا ذکر واضح الفاظ میں کئی آیات قرآنی میں موجود ہے۔ ان آیات

کا آزاد مفہوم اپنے حمدیہ کینوس پر منتقل کر دیا ہے۔ایک جگہ فرماتے ہیں:

کر کے تخلیق ہمیں کر دیا اشرف رب نے
آدمیت کو شرف اُس نے نرالے بخشے
فہم وادراک دیا ،راہ دکھائی حق کی
کرمِ خاص کیا، علم کے دھارے بخشے

میرا رتبہ خوب بڑھایا
تُو نے خلیفہ مجھ کو بنایا
فکر ونظر کا عطیہ دے کر
اقرا کہہ کر مجھ کو پڑھایا
ادنیٰ غلام ہوں تیرا سائیں
ہو جائے اک پھیرا سائیں

مندرجہ بالا اشعار آیاتِ قرآنی کے تناظر میں دیکھیے ،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

اورالبتہ پیدا کیا انسان کو ہم نے بہترین ڈھانچے اور شکل وصورت میں

ایک دوسری آیات میں فرمایا:

وسخرلکم مافی السموت ومافی الارض

اور تمھارے تابع بنایا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں

ایک جگہ ارشاد ہوا:

ثم جعلکم خلائف فی الارض

پھر ہم نے تم کو زمین پر اپنا جانشین مقرر کیا

اللہ نے انسان کو عزت عنایت فرمائی اور فرمایا:

ولقد کرمنا بنی آدم:اورالبتہ عزت بخشی ہم نے بنی آدم کو

جناب طاہر سلطانی اپنے حمدیہ اشعار ارشادِ ربانی سے بھی مزین کرتے ہیں جو صنعتِ تلمیح کے حسن کے آئینہ دار ہیں۔شاعر موصوف بے ضرورت تشبیہات واستعارات کا اہتمام کر کے

شعروں کو بوجھل نہیں کرتے۔ ان کی شاعری کا حسن ان کی سادہ بیانی میں مستور ہے۔ طاہر موصوف اُس قبیلۂ شعرا سے ہیں جو روزمرہ بول چال کی زبان میں اپنے مافی الضمیر کی شعری صورت گری کرتے ہیں۔ ان کے اشعار کے خزانے میں برجستگی بیان کے جواہرات بھی ملتے ہیں جو شعری وفنی تراش خراش میں مکمل ہیں۔

جملہ الہامی کتابوں میں قرآن حکیم آخری کتاب ہے۔ یہ وحی متلو کا مجموعہ ہے جو رہتی دنیا تک رہے گا۔ یہ احکامِ الٰہی کا جامع ترین صحیفہ ہے اور تمام بنی نوع کے لیے دستورِ حیات ہے۔ مہد سے لے کر لحد تک کے لیے۔ جناب طاہر سلطانی اپنی حمود میں آیاتِ قرآنی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اس سے بڑا کوئی ذریعہ نہیں۔ جسے حضور ختمی مرتبت نے اپنی حیات میں ڈھال کر دکھایا اور جو ہدایت مطلق کے خواہش مندوں کے لیے آئینِ زندگی ہے۔ اس حقیقت کی طرف شاعر اشارہ کرتے ہوئے سادگیِ بیان کے ساتھ فرماتے ہیں:

تُو خالق ہے، مالک ہے، قرآن تیرا
دیا تُو نے بندوں کو دستور، یارب!

اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں کہ اللہ رب العزت کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اُس نے اصولِ فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے قرآن کریم کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے رہنمائی فرمائی۔ شعر دیکھیے:

لب پر ہے شکر یارب، اس بندہ پروری کا
تُو نے دیا ہے ہم کو آئین، زندگی کا

قرآن حکیم کی تشریح وتفسیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔ اُن کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے وحی متلو جو (وحی جلی ہے) عنایت فرمائی۔ طاہر سلطانی اس حقیقت کی شعری صورت گری فرماتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

سرورِ کونینؐ کو تحفے میں دینے کے لیے
مالکِ ارض وسما نے تیس پارے ہی چُنے

قرآن کے تیس پاروں میں آیاتِ وعدہ ایک ہزار، آیاتِ وعید ایک ہزار، آیاتِ نہی ایک ہزار، آیاتِ امر ایک ہزار، آیاتِ مثال ایک ہزار، آیاتِ قصص ایک ہزار، آیاتِ حلال دوسو پچاس، آیاتِ حرام دوسو پچاس، آیاتِ تسبیح ایک سو، آیاتِ متفرقہ چھیاسٹھ، چھے ہزار چھے سو

چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات میں احکامِ تکوینی وتشریعی سمٹے ہوئے ہیں۔ متقی لوگوں کے لیے مکمل ہدایت اور ضابطۂ حیات ہے۔ سورۂ البقرہ کی پہلی آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

الم .ذالك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں پرہیزگاروں کے لیے مکمل ہدایت ہے

محولہ بالا آیت کی روشنی میں شعر دیکھیے:

پڑھو دل سے پیامِ خالقِ کُل مدلل ہے کلامِ خالقِ کُل

اللہ رب العزت کے حکم پر سچائی سے چلنے والے کے لیے قرآن حکیم میں جو صریح خوش خبری ہے، ارشادِ خدا ہے:

لئن شكرتم لازيدلكم :اگر تم نے میرا شکریہ ادا کیا میں ضرور ضرور اپنی نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

شاعر کہتے ہیں:

ملے گا تاجِ رفعت بھی اُسی کو
جو سچا ہے غلامِ خالقِ کُل

طاہر سلطانی احکامِ قرآنی کو نظر میں رکھتے ہیں۔ کسبِ حلال پر آیتِ قرآن ''**ولاتاکلؤ اموالکم بینکم بالباطل** ''(اور آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناجائز طور پر مت کھاؤ) آیت مبارکہ نے ہر اس مال کو جو کسی بھی ناجائز ذریعے یا جبر وظلم سے حاصل کیا جائے، اسے حرام کہا اور اس سے منع کیا ہے۔ اسی آیت کے تناظر میں مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمایئے جو رزقِ حلال حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے:

ہے یہی پیغامِ رب حاصل کرو رزقِ حلال
نور پیشانی کا بن جائے گا محنت کا گلاب

محنت میں عظمت ہے۔ رزقِ حلال سے قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جو حرام مال پر گزر کرتا ہے، اس کی عزت نہ معاشرے میں ہے نہ آخرت میں اس کی عزت ہوگی۔ قرآن وحی متلو ہے جس کی روشنی میں ناجائز مال کی سخت ممانعت ہے۔ وحی غیر متلو یعنی حدیثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی عملی اور قولی تشریح ہوتی ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں

کہتے۔قرآن کا فیصلہ ہے:وماینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ
حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

الکاسب حبیب اللہ:محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

حضور نے فرمایا:

''حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی اور وہ
جنتی نہیں۔نہ اس کی نماز قبول ہوتی ہے۔مالِ
حرام سے اللہ کی راہ میں دینا بھی قبول نہیں۔''

چنانچہ قرآن اور احادیث کے تناظر میں جناب طاہر سلطانی کا محولہ بالا شعر کتنی بڑی تفصیل کا اجمال ہے جو ایجاز واختصار کا بھی بہترین نمونہ ہے اور شاعرِ موصوف کی شاعرانہ مہارت پر بھی دلیل ہے۔ان کے حمدیہ کلام میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جو قرآن واحادیث کی روشنی میں کہے گئے ہیں۔مثلاً چند اشعار نذرِ قارئین ہیں جن کے پسِ پردہ قرآن وحدیث کے احکام موجود ہیں:

پہلے تعمیرِ اخلاق ہو — یہ صراحت ہے قرآن کی
ہم بزرگوں کی خدمت کریں — یہ نشانی ہے ایمان کی
مسکرا کر سبھی سے ملیں — یہ ہدایت ہے رحمان کی
گھر میں مہمان آئے اگر — دل سے خدمت ہو مہمان کی
نیکی کرکے جتائیں نہ ہم — یہ ہی صورت ہے احسان کی

بھیجو طاہر درود وسلام
ہے رضا ،ربِ رحمان کی

مندرجہ بالا اشعار کو پڑھنے کے بعد قرآن واحادیث کی تعلیمات کا احساس ہونے لگتا ہے۔شاعر کا یہ علم اور صلاحیت جو اشعار کی صورت میں ڈھل گئی ہے،ان کی قرآن فہمی اور احادیث کے مطالعے کی شہادت ہے۔

جس سے محبت صادق ہو،اُس کی نسبت سے ہر چیز سے عقیدت وشیفتگی لازمی ہے۔ بیت اللہ شریف جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل مسجدِ بیت المعمور کے مقابل (سیدھ) میں اللہ کے حکم سے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا،اس کے بعد آدم وخلیل کے ہاتھوں اس کی تجدید ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین .

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور ہدایت تمام جہان کے لیے۔

اس تناظر میں ایک سچے مسلمان کے لیے اس سے محبت وعقیدت باعثِ خیر و برکت اور ثواب ہے اور اس کا طواف فرض ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی صریح نشانیوں میں سے ہے جو اس میں داخل ہوا، وہ مامون ہو گیا۔ مندرجہ بالا اشعار طاہر سلطانی کے حسنِ عقیدت ومحبت کے آئینہ دار ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

تُو کتنا حسیں رب کا ہے گھر خانۂ کعبہ
خیرہ ہیں مرے قلب ونظر خانۂ کعبہ
مومن کا ہے مقصودِ نظر خانۂ کعبہ
یہ تیری کشش تیرا اثر خانۂ کعبہ
ہر دل میں مچلتی ہے ترے طوف کی خواہش
دیوانہ ہے ہر ایک بشر خانۂ کعبہ
ہوں اُس کے لیے ہیچ یہ دنیا کے نظارے
دیکھے جو تری نوری سحر خانۂ کعبہ

مندرجہ بالا اشعار سے عظمتِ بیت اللہ، اس کا طواف وزیارت ہر مسلمان کے لیے باعثِ ثواب اور برکت ہے اور وہ اللہ رب العزت کی مادی نشانیوں کی شہادت ہے اور مسلمانانِ عالم کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی علامتِ روشن ہے۔ اس نہج کے چند شعر اور دیکھیے:

تیرے حرم کے نوری پھیرے
دیکھوں جلوے ہر سو تیرے
تیرے گھر کی دید عبادت
آنکھوں کو ملتی ہے راحت
حمد لکھوں اک تیری سائیں
خواہش ہے یہ میری سائیں

طاہر سلطانی ایک حساس، دیدہ وراور جہات نگر شاعر ہیں۔ وہ معاشرہ وعمل مابین المملکتی اور بین الاقوامی واقعات وسانحات سے بے خبر نہیں رہتے۔ اس لیے ان کی شاعری خصوصاً حمدیں بھی زندگی اور کائنات سے گُندھی ہوئی ہیں۔ اپنے ملک اور دنیا میں ہونے والی ہلاکتوں اور فتنہ وشر کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کی حمود میں مناجاتی اور التجائی انداز فطری طور پر در آتا ہے اور بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں:

مرے وطن کو خدا! دور رکھ اندھیروں سے
مرے وطن کا درخشاں ہر آفتاب رہے

خود کش دھماکے بند ہوں امن واماں رہے
یارب! کرم ہو ایسا بموں کا اثر نہ ہو

یہ ارضِ پاک موجِ تلاطم کی زد میں ہے
بس رب ہی ناخدا ہے شکستہ جہاد کا
پاکیزہ ملک میرا، زد میں ہے تیرگی کے
یارب! مرے وطن میں ڈیرا ہو روشنی کا

وطن کی محبت سنتِ نبوی ہے۔ وطن اغیار اور دوست نما دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہے۔ اس کی حفاظت کی دعا اسی سے مانگ رہے ہیں جو غوث الاغواث ہے، جو سب سے بڑا پناہ دینے والا ہے، اُس کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔ ''ایاک نستعین'' (ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کے تناظر میں ان مناجاتی والتجائی اشعار کی اصل روح پوشیدہ ہے۔ طاہر سلطانی کے حمدیہ کلام کا تامل کے ساتھ مطالعہ ان کی شاعرانہ انفرادیت اور اپنے حمدیہ مافی الضمیر کو سادگی وسلاست کے ساتھ بیان کرنے کے ہنر کا شاہد ہے۔ ان کے اشعار ژولیدہ بیانی، ابہام وسست بیانی اور دیگر نقائص واسقامِ شعری سے پاک ہیں۔ ان کی حمدیں استحسان کے نور سے منور وآراستہ ہیں۔

ان کے اشعار معقول ومنقول اور موضوعی ومعروضی فکر وخیالات سے سجے ہوئے ہیں، جو اپنے اندر جدید اسلوبِ بیاں کا احسان دلاتے ہیں۔ طرزِ اظہار ہی شاعر کی انفرادیت کو سامنے لاتا ہے۔ طاہر سلطانی اپنے مستند حمد گو معاصر شعرا میں اپنی حمدیہ شاعری کے لحاظ سے بھی منفرد لب ولہجہ اور خصوصیات شاعرانہ کے ممتاز شاعر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی شاعری کو فریدِ جمال شعریت کا آئینہ دار بنائے۔۔۔

پنجابی حمد نگاری کی روایت

پروفیسر اکبر علی غازی

پانچ دریاؤں کی سرزمین ''پنجاب'' دنیا کی قدیم تہذیبوں کی امین ہے جس کے آثار ڈیڑھ کروڑ سال قبل تک طے کیے گئے ہیں۔(۱) اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ پنجابی زبان اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان کا اپنا وجود۔ یہ بات البتہ الگ ہے کہ یہاں ہر دور میں غیر ملکی یا بدیسی لوگ آتے رہے اور اپنے ساتھ اپنی زبانیں بھی لاتے رہے جن کے بالترتیب اثرات کی تہیں پنجابی زبان پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ آخری چار تہوں: عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کا تو آج بھی مشاہدہ بلکہ زندہ مشاہدہ ممکن ہے۔ بیرونی حملہ آور پنجاب کی حدود کی طرح زبان پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں پنجاب ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہوا، البتہ دونوں طرف پنجابی کا چلن اب بھی جاری ہے۔ معلوم تاریخ کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ پنجابی زبان بھی مسلمانوں کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ گو اس کی ابتدا میں چند نام سکھ گورو صاحبان کے بھی ہیں مگر زبان کو نکھار مسلمانوں کے ہاتھوں نصیب ہوا اور اسلام کے زیر اثر ہی اس میں اسلامی تعلیمات اور عقائد کا نفوذ شروع ہوا۔ جس کے تحت عربی اور فارسی سے پنجابی زبان میں حمد و نعت کے مضامین اور اسلوب منتقل ہوئے اور پنجابی ادبی روایت کا ایک مسلسل اور مضبوط حصہ قرار پائے۔ پنجابی ادب میں حمد نگاری کو ایک تسلسل حاصل ہے جس میں ہر گزرنے والے دن کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ حمد ایک ایسا جاندار موضوع ہے جس کا تسلسل حیرت ناک حد تک مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سکھوں میں بھی موجود ہے جن کے بانی گرو نانک کے کلام کے بارے میں پروفیسر عبدالغفور قریشی لکھتے ہیں:

''آپ دی تعلیم داوڈھیرا حصہ رب دی توحید تے اس دی حمد تے ثناء نال بھرپور اے۔''(۲)

ترجمہ: آپ کی تعلیم کا بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی حمد و ثنا سے بھرپور ہے۔

پنجابی ادب کے پہلے دور (۱۰۰۰ء تا ۱۵۲۶ء) میں حاجی بابا رتن (۱۰۰۰ء) اور شاہ شمس سبزواری (۱۱۶۵ء تا ۱۲۷۷ء) ابتدائی کلاسیکل شعرا کے طور پر شامل ہیں مگر ان کا کلام بھی بابا فرید الدین شکر گنج کی طرح مذہبی رنگ لیے ہوئے تھا۔ جس میں حمد یہ عناصر تو تھے مگر وہ حمد و ثنا کے مقصد

کے تحت نہیں بلکہ وعظ ونصیحت اور تبلیغ کے مقاصد کے لیے شامل کیے گئے تھے۔البتہ بابا فریدالدین شکر گنج ایک اہم بڑے اور ابتدائی شاعر کے طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں جن کے کلام میں کچھ اس طرح کے حمدیہ عناصر ملتے ہیں:

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
منداکس نوں آکھیے جاں تس بن کوئی نانہہ(۳)

ترجمہ: اے فرید خالق مخلوق میں بس رہا ہے اور مخلوق خالق میں،
فریدا اب برا کسے کہیں جب آپ کے بغیر کہیں کچھ بھی نہیں۔

اس دور میں شاہ میراں جی بیجاپوری اور شاہ برہان الدین جانم جیسے صوفی شاعر بھی موجود تھے جن کے ہاں حمدیہ اشعار خالص تر شکل میں نظر آتے ہیں۔شاہ میراں جی بیجاپوری کی مثنوی سے حمد کے تین اشعار پیش ہیں:

صفت کروں میں اللہ کیری چو پوری پورن پور
قادر قدرت رنگی کارون نہ نیڑے نہ دور
نہ اس روپ نہ اس ریکھا نہ اس تھان مکان
نیر گنا گن وتنا کردا کس مکھ کروں بکھان
میں اس کارن بہت ڈروں ٹر کر جاؤں کہاں
جہاں نہاں میں چھپن لوڑوں تو ہیں تہاں نہاں(۴)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کرتا ہوں جو ہر کسی کی مراد پوری کرتا ہے۔وہ اپنی قدرتوں کی وجہ سے نہ نزدیک ہے نہ دور ہے۔اس کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ میں بے گن اس گن والے کی کس منہ سے تعریف کروں۔اس وجہ سے میں اس سے بہت ڈرتا ہوں مگر میں جہاں بھی چھپتا ہوں، وہاں وہ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔

اس دور کے مزید دو نام امیر خسرو اور گرونانک ہیں جن میں سے آخرالذکر کے کلام میں حمدیہ مضامین کثرت سے ملے ہیں اور ان کے ہاں بعض مکمل حمدیہ اشعار بھی نظر آتے ہیں۔

دوسرا دور مغل عہد نمبر ایک ہے جو بابر سے عالمگیر کے دورِ حکومت یعنی (۱۵۲۶ء تا

۱۷۰۷ء) تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں شاہ حسین اور سلطان باہو جیسے دو بڑے نام زیادہ اہم ہیں جن کی شاعری تصوف کے مضامین سے پُر ہے اور ان کے ہاں حمدیہ مضامین بھی متصوفانہ رنگ میں ملتے ہیں۔اس کے علاوہ دمودر، پیلو، حافظ برخوردار مسلمانی والے، احمد گوجر، شاہ مراد، نوشہ گنج بخش، مولوی عبداللہ لاہوری اور علی حیدر اہم شاعر ہیں۔ان میں سے حافظ برخوردار اور مولوی عبداللہ لاہوری کے ہاں حمدیہ اشعار نسبتاً زیادہ ملتے ہیں۔مولوی عبداللہ لاہوری کے ہاں تو ''بارہ انواع'' میں ایک مکمل نوع ''حمد وثنا'' کے عنوان سے ہے۔اسی دور کے ایک شاعر مولانا عبدالکریم جھنگوی کا ایک شعر درج ہے جس میں پہلا مصرعہ حمد ہے اور دوسرا نعت ہے۔وہ لکھتے ہیں:

سبھ ثنا خدائے نوں جیندا کل جہان
بہت درود رسول نوں لتھا جین فرقان (۵)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کا ملک یہ جہان ہے (اور) بہت
درود رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں جن پر قرآن اترا۔

محمد دین مائیو، شیخ عبداللہ ملتانی، سائیں شادا، حافظ لاہوری بھی اس دور کے اہم شاعر ہیں۔ان میں سے حافظ لاہوری کا کلام بڑا متنوع اور حمد کے مضامین سے پُر ہے۔جس میں توبہ وزاری کا حصہ خاصہ ہے۔حضرت سلطان باہو اس دور کے اہم ترین شاعر ہیں جن کو شریعت اور طریقت دونوں حوالوں سے بلند مقام حاصل ہے۔ان کے ہاں حمدیہ عناصر کچھ اس طرح ملتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تیسرے دور (۱۷۰۷ء تا ۱۸۰۰ء) کو مغل عہد نمبر ۲ کہا جاتا ہے۔اس دور میں سید بلھے شاہ کا ذکر سب سے پہلے آتا ہے۔آپ ایک صوفی شاعر تھے جن کے کلام میں جرات اور بے باکی نمایاں ترصفت ہے۔آپ کے کلام پر بھی تصوف کا رنگ غالب ہے۔آپ بھی وحدت الوجودی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

واہ سوہنیا تیری چال عجائب — لٹکاں نال چال چلیندے ہو
آپے ظاہر آپے باطن — آپے لک لک بہندے ہو
آپے ملاں آپے قاضی — آپے علم پڑھیندے ہو(۶)

ترجمہ: واہ محبوب تیری شان عجیب ہے۔لٹک لٹک کر چلتے ہو۔تم آپ ہی
ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی چھپ کر بیٹھے ہو۔آپ خود ہی

ملا ہوا اور خود ہی قاضی ہوا اور خود ہی طالب علم بھی ہو۔

اسی دور میں حافظ شاہجہاں مقبل، خواجہ فرد فقیر، مولوی لطف علی بہاولپوری، حامد شاہ عباسی اور سید وارث شاہ جیسے اہم شعرا کے نام شامل ہیں۔ موخر الذکر عظیم شاعر نہ صرف پنجابی ادب کے سب سے عظیم شاعر ہیں بلکہ عالمی ادب میں بھی ان کو پاکستان کا نمائندہ شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کو ناقدین اور محققین نے بہت سے خطابات سے نوازا ہے جن کے حوالے سے ایک اقتباس پیش ہے جس سے موصوف کی علمی و ادبی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ شریف صابر لکھتے ہیں:

''اسی (ہیر وارث شاہ کی) بنا پر مختلف دانشوروں نے حضرت وارث شاہ کو شیکسپیئر، ورڈزورتھ، کیٹس سے بڑا، پوشکن اور مولیئر کا ہم پلہ، شعر کا پیغمبر، سخن دا وارث، مہا کوی، ولی اللہ، عارف باللہ، عظیم آرٹسٹ وغیرہ کے خطابات سے یاد کیا ہے۔ اور اردو ادب کے نقاد سر عبدالقادر اور وارث شاہ کو نہ صرف شیکسپیئر تسلیم کرتے ہیں بلکہ انھیں پنجابی ادب کا سعدی بھی قرار دیتے ہیں۔''(۷)

پیر وارث شاہ ''ہیر وارث شاہ'' میں لکھتے ہیں:

اول حمد خدا دا ورد کیجئے عشق کیتا سوجگ دامول میاں
رب جیڈ نہ کوئی ہے جگ داتا زمیں جیڈ نہ کسے دی صابری وے
وارث شاہ اللہ جاں کرم کردا حکم ہوندا ہے نیک ستاریاں نوں
جدوں کرم الہ دا کرے مدد بیڑا پار ہوجائے نمانیاں دا(۸)

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ کی حمد کو ورد زباں بناؤ جس نے عشق کی قیمت پر کائنات کی بنیاد رکھی۔ اللہ جل شانہٗ جتنا کوئی سخی نہیں اور زمین جتنا کوئی صابر نہیں۔ وارث شاہ خدا مہربان ہوتا ہے تو ستاروں کی چال کو حق میں پلٹا تا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے تو نمانے لوگوں کا مقدر سنور جاتا ہے۔

سکھی دور (۱۸۰۱ء تا ۱۸۴۸ء) میں ہاشم شاہ، احمد یار، قادر یار، مولوی احمد یار، امرالوی، منشی غلام حسن گامن اور پیر محمد، اہم شاعر ہیں۔ سکھوں کی زبان پنجابی تھی اس لیے سکھ دورِ حکومت میں پنجابی زبان کو سرکاری زبان بنانے کی بحث چھڑی مگر رسم الخط کے جھگڑے کی وجہ سے یہ بیل

منڈھے نہ چڑھ سکی اور فارسی کو سرکاری زبان رہنے دیا گیا۔اس دور میں بھی پنجابی ادب اپنی مخصوص رفتار اور انداز سے نشو ونما پاتا رہا۔انگریزی دور(۱۸۴۹ء تا ۱۹۴۷ء) میں پنجابی ادب کی وسعت اور گہرائی میں اضافہ ہوا۔مغرب سے نئے نئے اسالیب اور مضامین درآمد ہوئے اور پنجابی ادب کی وسعت کا باعث بنے۔اس دور کے اہم شعرا میں سید فضل شاہ، میاں محمد بخش، خواجہ غلام فرید، مولوی غلام رسول عالمپوری، میاں محمد بوٹا اور میاں ہدایت اللہ شامل ہیں۔میاں محمد بخش پنجابی ادب کا بڑا اہم نام ہے۔ان کی تخلیق ''سفر اعشق المعروف قصہ سیف الملوک وبدیع الجمال'' پنجابی ادب کی ایک ہر دلعزیز مثنوی ہے۔ان کے چند حمدیہ اشعار کا ترجمہ دیکھیں:

ترجمہ: واہ واہ پیدا کرنے والے خالق کی جس نے (محض) چار عناصر سے
یہ رنگا رنگ حیوانات تخلیق کیے۔اس کی کُن تک عاقل، دانا اور بالغ
النظر لوگ بھی نہیں پہنچ سکتے۔اس کے دروازے پر لوح، قلم اور آسمان بھی
سربسجود ہیں۔اس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا۔واہ کیسی نرالی قدرت
ہے کہ ہر پیدائش اس کی نظر میں ہے۔خواہ وہ ایک پتایا معمولی ٹہنی ہی کیوں
نہیں۔اس کا کوئی مکان نہیں مگر وہ ہر جگہ موجود ہے۔وہ ہر وقت
ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔''(۹)

مولوی غلام رسول بھی اسی دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی کتاب ''احسن القصص'' ان کی شناخت بنی۔اس کتاب سے حمد کے ابتدائی اشعار پیش ہیں، وہ لکھتے ہیں:

عشق بھنا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی
صدق صفاؤں آب ہواؤں پلیا وچ خوشنودی
برگ و برگ ارادت ازلی نور رچایا ہویا
محویت دی خمر طہوروں نشہ چڑھایا ہویا
افضل، اطہر، اکمل، انور جیں وچ ست وڈیائیاں
عدم تکلف والیاں جس وچ وہندیاں ندیاں آیاں
ازل ازالی، ابد آبادی حمد دوام دوامی
وچہ دریا وجوب غنا دے ایہ سرسبز مدامی(۱۰)

اٹھاسی(۸۸) اشعار پر مشتمل یہ حمد اگرچہ ''حمد'' کے عنوان سے نہیں مگر پنجابی حمدیہ

روایت کی ایک اہم کڑی ہے جس کے تحت ہر پنجابی مثنوی نگار اپنی مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اس دور میں میاں محمد بوٹا، استاد بردا پشاوری، استاد کرم، سید مہر علی شاہ، حکیم گاموں خان، مولوی فیروز ڈسکوی، مولوی شاہ دین سیالکوٹی، مولوی دلپذیر اہم شعرا ہیں۔ مولا بخش کشتہ پنجابی ادب کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ حسبِ روایت انھوں نے بھی اپنے دیوان کا آغاز حمد سے کیا ہے۔ ان کی حمد کا ترجمہ پیش ہے:

> ''پہلے عشق ربی کا نور چمکا اور پھر اس نور سے کل جہان پیدا ہوا۔ پھر عشق کے ساتھ رشک پیدا ہوا۔ گویا خوشی کے ساتھ غم کا سامان کر دیا گیا۔ تمام صفتیں اس کو زیبا ہیں جو پالنے والا رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہی مہربان اس چمن کا خود محافظ ہے۔''(۱۱)

حکیم عبداللطیف عارف سیرت کے حوالے سے اہم نام ہے جبکہ پیر فضل گجراتی کو پنجابی کا حافظ قرار دیا جاتا ہے۔ (۱۲)۔ فیروز دین شرف، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، استاد دامن، حکیم شیر محمد ناصر اور دائم اقبال دائم اس دور کے اہم نام ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار شاعر ہیں جن کے فکر وفن سے حمد ونعت کے بہت سے شہ پارے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ نو کلاسیکل اور جدید دور میں حمد کے حوالے سے روایت کی پیروی اور تسلسل ملتا ہے۔ پنجابی ادب کے ہر شاعر کے ہاں حمدیہ مضامین ملتے ہیں جبکہ باقاعدہ حمد کے عنوان سے حمد باری لکھنے کا رجحان بھی اس دور میں ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے البتہ چند ایک شعرا کو اس حوالے سے استثنیٰ حاصل ہے اور بعض ایسے نعتیہ مجموعہ جات بھی نظروں سے گزرے ہیں جن میں حمد کو اولیت نہیں دی گئی۔ البتہ جدید دور حمد کی ترقی وترویج کے حوالے سے روشن تر ہے کیونکہ اس دور میں نعت کے ساتھ ساتھ حمد کو بھی فروغ ملا جس کا ثبوت نعتیہ مجموعہ جات کے ساتھ ساتھ بیسیوں حمدیہ مجموعہ جات کا وجود ہے۔ اس کے علاوہ بعض مجموعہ جات میں حمد ونعت کو قابلِ ذکر تناسب سے ایک ہی مجموعہ میں حصوں کی شکل میں شامل کیا گیا ہے اور یہ حمد اور نعت کے خالص مجموعہ جات کی درمیانی کڑی ہے۔ پنجابی زبان کے صوفی شعرا کے ہاں حمدیہ عناصر تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے ملتے ہیں جبکہ مثنوی نگار شعرا نے حمد میں ذکر، شکر، فکر، تسبیح وتہلیل اور قادرِ مطلق کی قدرت کی وسعتوں کے بیان کو بڑے سلیس، سادہ اور ماہرانہ انداز میں نظم کیا ہے۔ جن سے نہ صرف شاعر کے عشقِ ربی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ خدائے واحد کی ذات، صفات اور نوازشات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ پنجابی ادب

میں دیوان یا مجموعہ جات کی ابتدا حمد سے کرنے کا رجحان اتنا مضبوط ہے کہ غیر مسلم شعرا بھی اسے اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ بہرحال یہ حمدیں حصولِ برکت وثواب کے لیے ہوتی تھیں۔ ان میں اللہ جل شانہٗ کی تعریف وتوصیف کے بعد اس سے مدد واعانت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں جن میں شاعر کا عقیدہ بھی جھلکتا تھا اور یہ حمد عام طور پر ایک ہوتی تھی۔ البتہ اس کے اشعار کی تعداد شاعر کے ذوق کے مطابق کم یا زیادہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد نعت اور پھر منقبت اور پھر نفسِ مضمون شامل کیا جاتا تھا مگر موجودہ دور میں حمد نے صنفِ شاعری کے طور پر ترقی کی ہے یعنی اب یہ صرف روایت کی پیروی نہیں رہی بلکہ خالص مجموعہ کے طور پر لکھی جانے لگی ہے۔ الگ سے حمد لکھنے کا رجحان گو قدیم سے ہے مگر حمد کو صنفِ سخن کے طور پر خصوصی توجہ ۱۹۸۰ء کے بعد حاصل ہوئی جب الگ سے حمدیہ مجموعہ جات نسبتاً تیزی سے منظر عام پر آنے لگے۔ اس حوالے سے دستیاب حمدیہ تخلیقات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ نذر مولا، قاضی، اللہ تعالیٰ دے نڑنویں ناں، مشمولہ کلیاتِ نذر مولا، ناقص الاول والآخر۔
۲۔ غلام حسین، منشی، بہشتی حلے، لاہور، ملک دین محمد تاجر کتب، ۱۳۲۴ھ۔
۳۔ نور الحسن ککہ کو ہلو، مناجات بطریق سی حرفی، ڈاکخانہ خانکی ضلع گوجرانوالہ، قلمی۔
۴۔ احسان اللہ طاہر، مرتب، سی حرفی امر (محمد دین وصف) گوجرانوالہ، وارث پریت پروار، س ن۔
۵۔ تنویر بخاری، ربنا، کڑیال کلاں گوجرانوالہ، پنجابی کلچرل سنٹر، ۱۹۸۳ء۔
۶۔ احسان اللہ طاہر، اول حمد ثنا الٰہی، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۱۹۹۹ء۔
۷۔ ع س مسلم، ابوالامتیاز، واگاں میں ول موڑ، لاہور الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔
۸۔ نجمی، محمد اقبال، حمد چراغ دلاں دا چانن، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۱ء۔
۹۔ احسان اللہ طاہر، سائیں میریا تیری جگنی، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۲ء۔
۱۰۔ کنجاہی، منیر صابری، حمدیہ سی حرفی، لاہور، تگ وتاز پبلشرز، ۲۰۰۴ء۔
۱۱۔ سفری لائلپوری، محمد اسماعیل، توحیدی چالی نظماں، لائلپور، س ن۔
۱۲۔ محمد اسلم مبتلا، شانِ ذوالجلال، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۷ء۔
۱۳۔ نجمی، محمد اقبال، اچی ذات کمالاں والی، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۸ء۔
۱۴۔ نجمی، محمد اقبال، اللہ سوہنا، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۸ء۔

''اللہ تعالیٰ دے نڑنویں ناں'' قاضی نذر مولا کا بیس صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے جو کہ

''کلیاتِ نذر مولا'' کے آغاز میں شامل کیا گیا ہے۔ اس میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں اوران ناموں سے متعلق صفات کے حوالے سے اپنی عقیدت اورفن کے جوہر دکھائے ہیں اوراسی حوالے سے صفتِ باری بیان کی ہے۔ (۱۳) قاضی صاحب (۱۲۳۶ھ تا ۱۳۰۹ھ) کے کلیات میں شامل دیگر تصنیفات میں بھی حمد کے نمونے ملتے ہیں۔ (۱۴) ان کی حمد کا نمونہ پیش ہے:

اول آخر ظاہر باطن ہے ہوسی برحق اللہ
لاالہ الا اللہ لا الہ الا اللہ (۱۵)

''بہشتی حلّے''، منشی غلام حسین کا مرتب کردہ انتخاب ہے جو کہ ان کی اپنی ہی مختلف کتب میں سے حمد ونعت اورمناقب کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ منشی غلام حسین کی یہ کاوش ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی۔ (۱۶)

''مناجات بطریق سی حرفی'' نورالحسن کی تخلیق ہے جو کہ ۱۹۱۲ء میں نقل کی گئی جس پر مصنف سے اصلاح بھی لی گئی ہے۔ یہ قلمی حالت میں ہے۔ اس میں مناجات کے رنگ میں حمد باری پیش کی گئی ہے۔ (۱۷)

''سی حرفی امر'' محمد دین وصف کی تخلیق ہے جس میں محمد دین وصف نے لفظ ''امر'' ہر مصرع میں کہیں ایک بار اور کہیں ایک سے زیادہ یا بڑے اچھوتے انداز میں برتا ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے نہ صرف شعر کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ یہ لفظ بھی موتی کی طرح جگمگا اٹھتا ہے۔ یہ سی حرفی احسان اللہ طاہر کی تلاش اور جستجو کے نتیجہ میں منظر عام پر آئی۔ جو کہ بعد میں وصف کے دوسرے کلام کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الف امر نہ امر دی کھیڈ ہیسی آہی ذات اکو کبریا پہلے
امر نال نوروں نور جدا ہوکے بنیا نور احمد مصطفےٰ پہلے
ملی بانگ الست دی جدوں امروں کہیا نور اس قالو بلی پہلے
وصف امر تھیں قلم دو ٹک ہوکے لکھیا لوح اوپر لا الہ پہلے (۱۸)

ترجمہ: نہ امر تھا نہ امر کا کھیل تھا، ذاتِ کبریا پہلے اکیلی تھی۔ امر (ربی) سے نور، نور سے جدا ہوا اور نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ جب خدا نے ''الست بربکم'' پکارا تو سب سے پہلے اسی نور نے قالو بلیٰ کہا۔ وصف وہ امر ہی تھا جس کے حکم سے قلم نے دو ٹک ہو کر عرش پر لا الہ لکھا۔

''ربنا'' تنویر بخاری کا کتابچہ ہے جس میں انھوں نے ایک دردمند پاکستانی کی دلی دعا نظم کی ہے۔اس کتاب کا انداز مناجات سے بھی زیادہ دعا کی طرح ہے۔جس میں تعریف اور ثنا کی بجائے حاجات کے بیان پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔اس کتاب کا آغاز باقاعدہ حمد باری سے کیا گیا ہے اور پاکستان کی ترقی کا خواب بڑے اچھوتے انداز میں دکھایا گیا ہے۔جس میں ملی درد اور محبت بھی ہے اور فکر وفن بھی۔

''واگاں میں ول موڑ'' ابوالامتیاز ع س مسلم کی قابلِ قدر تصنیف ہے۔اُردو اور پنجابی شعری روایت میں ایک طرح کا اچھوتا تجربہ ہے۔اس کتاب میں ہر خیال قرآن اور حدیث کے دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب کے تین حصے ہیں۔پہلا حصہ حمد پر مشتمل ہے۔دوسرے حصے میں نعت ہے جبکہ تیسرے میں دیگر منظومات شامل کی گئی ہیں۔اس کتاب سے حمد کا ایک نمونہ پیش ہے:

اک ثنا میں رب دی لکھا لکھاں سرنانواں ہو
دل دے اندر اس دیاں شاناں دا سو میلا لانواں ہو
ہر شے دے وچ اس دے جلوے کی کی میں گنونواں ہو
اکھیوں اوہلے پر رگ رگ وچ بولے اس دا نانواں ہو (۱۹)

ترجمہ:اللہ کی ایک ثنا لکھوں تو اس پر لاکھوں عنوان لکھتا ہوں۔اس طرح میں اپنے دل میں اس کی یادوں کا میلہ لگا لیتا ہوں۔مجھے اس کے جلوے ہر شے میں نظر آتے ہیں اور وہ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ گنوا نہیں سکتا۔ وہ آنکھوں سے تو اوجھل ہے مگر ہر رگ میں اس کا نام گونج رہا ہے۔

ان کی ایک حمد ''ازل تا ابد'' کے عنوان سے ہے جس میں انھوں نے قطعات میں حمد باری لکھی ہے۔اس قطعات کے حوالے سے بشیر حسین ناظم لکھتے ہیں کہ ''ازل تا ابد دے حمد یہ بنداں دا جواب ای نئیں۔''(۲۰) ترجمہ(ازل تا ابد کے حمد یہ بندوں کا جواب ہی نہیں) اس کتاب کی ایک مضبوط تر شناخت نعت ہے کیونکہ نام ''واگاں میں ول موڑ'' سے بھی اسی جانب اشارہ ملتا ہے۔اس لیے اسے حمد کی خالص کتاب نہیں کہا جا سکتا۔

''اول حمد ثنا الٰہی'' ایک پنجابی محقق،نقاد اور شاعر کی نثری کتاب ہے۔جو کہ پنجابی ادب میں اپنی نوعیت کا منفرد اضافہ ہے۔محقق نے اپنے پسندیدہ موضوع پر آٹھ ابواب کے تحت پنجابی

حمد یہ ادب کا جائزہ لیا ہے۔ ۶۷ اصفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

''حمد چراغ دلاں دا چانن'' محمد اقبال نجمی کا لکھا ہوا حمد یہ مجموعہ ہے۔ کتاب کی رو سے یہ پنجابی ادب کا پہلا حمد یہ مجموعہ بنتا ہے۔ اس میں تقریباً تمام اصنافِ شعری میں حمد لکھی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ہائیکو میں بھی حمد کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ ان کے فن کے حوالے سے حفیظ تائب لکھتے ہیں کہ: ''(انھوں نے) حمد یہ شاعری کو ایک اچھوتا، اونچا اور خالص فن بنا دیا ہے۔'' (۲۱) ان کی حمد یہ غزل کا ایک نمونہ پیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ہر شے جہدے کہن تے چلے اوہ ہے اللہ سوہنا
جہدی مرضی رو کے ٹھلے اوہ ہے اللہ سوہنا
جہڑا دل دیاں نیتاں جانے سوچ تے غلبہ جہدا
جہڑا ہر تھاں اوپر تھلے اوہ ہے اللہ سوہنا
نور دلاں نوں جہڑا بخشے، اکھ نوں ٹھنڈک دیوے
جہڑا پیار ہواواں گھلے اوہ ہے اللہ سوہنا (۲۲)

ترجمہ: جس کے حکم سے ہر شے چلتی ہے، وہ اللہ سوہنا ہے۔ جس کی مرضی انسان کو اپنے ارادوں سے روکتی ہے، وہ اللہ سوہنا ہے۔ جو دلوں کا بھید جانتا ہے اور سوچ پر بھی غالب ہے، جو اوپر نیچے ہر جگہ موجود ہے، وہ اللہ سوہنا ہے۔ جو دلوں کو نور بخشتا ہے، آنکھ کو ٹھنڈک دیتا ہے، وہ اللہ سوہنا ہے۔

احسان اللہ طاہر کے حمد یہ مجموعہ ''سائیں میریا تیری جگنی'' کو حمد یہ ادب کا ایک رجحان ساز کارنامہ اور اہم سنگ میل قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس میں لوک گیتوں کی سی چاشنی موجود ہے اور کہیں بھی بے باکی اور بے ادبی کا گذر بھی نہیں ہوا۔ اس کتاب میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو بڑے دل نشین انداز میں نظم کیا گیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں شاعر نے اپنا تخلص کچھ اس طرح برتا ہے کہ سوہنا اور القدوس کی طرح ترجمہ میں شامل کرنا جاذب لگا۔ وہ لکھتے ہیں:

کوئی وی کفروں پاک نہ ہووے رزق نہ کھاوے
جد تیکر اوہ طاہر سوہنا القدوس نہ چاہوے
ویری لکھ واری پیا بھاویں آ قتلام مچاوے

اوہنوں کیہڑا مارے جنہوں السلام بچاوے(۲۳)

ترجمہ: کوئی بھی اس وقت تک نہ کفر سے پاک ہوسکتا ہے اور نہ پاک رزق کھا سکتا ہے جب تک وہ سوہنا سائیں، القدوس اور طاہر نہ چاہے۔ بے شک دشمن لاکھ بار آ کر قتل عام مچا دے مگر اسے کوئی نہیں مار سکتا جسے السلام یعنی سلامتی دینے والا بچانا چاہے۔

''حمد یہ سی حرفی''، منیر صابری کنجاہی کی لکھی ہوئی ایک سی حرفی ہے جو کہ ۵۶ صفحات پر مشتمل کتابچے کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ ۳۶ بندوں پر مشتمل یہ سی حرفی حمد کے اعلیٰ نمونوں پر مشتمل ہے البتہ اس کو بھی کتاب کے دائرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس سی حرفی کا پہلا بند پیش ہے۔ شاعر لکھتا ہے:

ترجمہ: الف اللہ کی تعریف میں اس لیے کرتا ہوں کہ یہ تعریف میرے نبی ﷺ نے بھی کی اور علیؓ نے بھی کی ہے۔ چار یاروں نے گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں اس کی تعریف کی، انکار کرنے والوں نے بھی دل میں اس کی تعریف ضرور کی، اولیا نے کی اور غوثِ جلی نے بھی کی، منیر اس کی تعریف ہر تنے نے کی، ہر پھول نے اور ہر کلی نے کی۔(۲۴)

''حرف نذرانے''، مقصود احمد شرقپوری کا ترتیب دیا ہوا، ۱۲۲ صفحات پر مشتمل شعری انتخاب ہے۔ جس میں پنجابی شعرا کا حمدیہ، نعتیہ اور عارفانہ کلام شامل ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں مقصود پبلشرز لاہور نے شائع کیا۔ ان چند خاص ناموں کے علاوہ جدید پنجابی ادب میں ایک طویل فہرست ہے جن کی حمد فکر اور فن کے حوالے سے نہ صرف اعلیٰ معیار کی حامل ہے بلکہ روح کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز ہے جو کہ جذبوں کو جلا بخشتی ہے مگر یہاں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں اس لیے صرف ''مفیض حمد نمبر'' کا ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا کیونکہ مفیض دو نمبر شائع کر چکا ہے جس میں پنجابی حمد کے حوالے سے قابلِ ذکر حصہ مختص کیا گیا ہے۔

''توحیدی چالی نظماں'' کے عنواں سے لکھی ہوئی یہ کتاب چالیس توحیدی قصوں کا مجموعہ ہے جو محمد اسماعیل سفری لائلپوری نے اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے لیے لکھے۔ ان منظوم قصوں میں کئی ایک سے زیادہ حمدوں سے شروع کیے گئے ہیں اور ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ لوگوں میں مروج

غلط رسومات کا دلائل سے رد کیا گیا ہے۔اس کتاب سے عقیدہ توحید ورسالت کی تفہیم کی ایک کاوش پیش ہے جو ان قصوں کی ماہیت اور اسلوب کا بہتر ادراک دلا سکتی ہے۔وہ اپنے قصے ''توحیدی قصہ ناشکرا مسلمان'' کے صفحہ نمبر ۲ پر عقیدۂ توحید ورسالت کا بیان کچھ اس طرح کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

ہندسے دو نے جز اسلام اندر پہلا جز خدا نوں خدا منناں
سدا چلدے رہنا توحید اتے نہ کوئی ہور خدا سوا منناں
منا اک خدا دی ذات تائیں لاشریک وچہ دونویں سرا منناں
اس نوں شرک آکھن ربدے نال جھڑا ہور شریک بنا منناں
دوجا جز ہے پاک رسول تائیں اپنا پیر منناپیشوا منناں
سدا سنت نبی تے عمل کرنا نبی پاک تائیں رہنما منناں
ایس گل تائیں بدعت آکھدے نے سنت نال کوئی رسم ملا منناں
ہندے دو نے جز اسلام اندر رب جدا رسول جدا منناں

ترجمہ: اسلام کے دو جزو ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور توحید پر ہمیشہ کاربند رہا جائے اور (توحید یہ ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کو (معبود) نہ مانا جائے۔اللہ کی ذات کو ایک مانا جائے اور دونوں جہانوں میں اسے لاشریک جانا جائے۔اسے شرک کہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک مانا جائے۔(اسلام کا) دوسرا جز و رسول پاک ﷺ کو اپنا پیر اور پیشوا ماننا ہے۔سدا سنت نبوی پر عمل پیرا ہونا اور آپ کو اپنا رہبر کامل ماننا ہے۔اس بات کو بدعت کہتے ہیں کہ سنت رسول کے ساتھ کوئی رسم ملالی جائے۔اسلام میں دو جزو ہوتے ہیں یعنی اللہ کو الگ ماننا اور نبی کو الگ ماننا۔

اس کتاب میں شامل ہر قصہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے جس کی رو سے اس کے کل صفحات ۳۳۰ ہونے چاہیے تھے مگر اس کے کل دو سو آٹھ صفحات ڈاکٹر ریاض مجید کی وساطت سے دستیاب ہو سکے ہیں۔ان صفحات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے معاشرے کے ہر معاملے اور مذہب کے ہر مسئلے کے تناظر میں عقیدۂ توحید اور حمد باری تعالیٰ کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جن سے حمد کی حدود کی بے پناہ وسعتوں کا ایک نیا جہان جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر ریاض مجید ۱۹۷۳ء میں فوت ہوئے جس کی رو سے اس کتاب کو ''ربنا'' سے بھی زیادہ قدامت کا شرف حاصل ہے۔

(نوٹ: مضمون بعنوان ''پاکستانی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت'' سے ماخوذ، مطبوعہ سہ ماہی دلچسپ، گوجرانوالہ، پنجابی حمد نمبر)

حوالہ جات

۱۔عین الحق فرید کوٹی، پنجابی زبان کا پس منظر، مقالہ، پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، ص ۷، ۸۔
۲۔عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، لاہور، عزیز بک ڈپو، ۱۹۷۲، ص ۲۰۸۔
۳۔فقیر، فقیر محمد، ڈاکٹر، مرتب ومترجم، بول فریدی، لاہور، الفیصل ناشران، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۴۔
۴۔عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، لاہور، ص ۲۰۴۔
۵۔ایضاً، ص ۲۴۲۔
۶۔آصف خان، محمد، مرتب، آکھیا بلھے شاہ نے، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، دوجی وار ۱۹۹۹ء، ص ۳۸۸۔
۷۔شریف صابر، محمد، مرتب، ہیر وارث شاہ، ص: ط۔
۸۔ایضاً، ص متفرق۔
۹۔عزیز احمد چوہدری، میاں محمد بخش: احوال وآثار، پنجاب سرچ فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء، ص ۳۷۔
۱۰۔غلام رسول عالمپوری، مولوی، احسن القصص، لاہور، ممتاز کمپنی، س ن، ص ۲۔
۱۱۔کشتہ، مولا بخش، دیوانِ کشتہ، لاہور، مکتبہ پنج دریا، ۱۹۶۴ء، ص ۱۔
۱۲۔عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، لاہور، ص ۴۴۵۔
۱۳۔غازی، اکبر علی، ماں بولی دے وارث، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۔
۱۴۔حفیظ احمد، ڈاکٹر، گواچے مہاندرے، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۱ تا ۲۶۔
۱۵۔ایضاً، ص ۱۵۔
۱۶۔غازی، اکبر علی، ماں بولی دے وارث، گوجرانوالہ، ص ۲۵۔
۱۷۔ایضاً، ص ۲۵۔
۱۸۔احسان اللہ طاہر، مرتب، تیرے وصف نوں وصل دی تاہنگ رہندی، گوجرانوالہ، وارث پریت، پروار، ۲۰۰۳ء، ص ۷، ۸۔
۱۹۔ع س مسلم، ابوالا امتیاز، واگاں میں ول موڑ، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۳۵۔
۲۰۔بشیر حسین ناظم، دیباچہ، ابوالا امتیاز، ع س مسلم، واگاں میں ول موڑ، لاہور، ص ۲۸۔
۲۱۔حفیظ تائب، پہلا حمدیہ مجموعہ، مضمون مشمولہ مفیض حمد نمبر، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۳ء، ص ۴۷۹۔
۲۲۔نجمی، محمد اقبال، حمد چراغ دلاں دا چانن، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۶۔
۲۳۔احسان اللہ طاہر، سائیں میریا تیری جگنی، گوجرانوالہ، فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۲ء، ص ۸۔
۲۴۔ایضاً، ص متفرق۔

پہلا حمدیہ قصیدہ.....''اے ربِ ذوالجلال''

ریاض ندیم نیازی

حمیدہ کشش نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اُس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی انفرادیت ضرور ہو، کشش ہر بار اپنی کوشش میں کام یاب رہی ہیں۔ان کی پہلی انفرادیت یہ تھی کہ اُن کا پہلا شعری مجموعہ ''سحرِ عشق'' ایک ہی بحر میں تخلیق ہوا۔دوسرے مجموعے کی انفرادیت یہ رہی کہ اس میں شامل تمام غزلیات نسوانی لہجے کی حامل اورعورت کے جذبات کے بیباکانہ اظہار کی نمائندہ تھیں۔تیسرا شعری مجموعہ ''کششِ سخن'' دو طویل غزلیں ہیں جو تین تین سو اشعار پر مشتمل ہیں،ایک ہی بحر اور ردیف وقوافی میں تین تین سو شعر تخلیق کرنا، ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ کشش کو اس میدان میں اوّلیت کا اعزاز حاصل ہوا کہ کسی شاعرہ نے پہلی بار طویل غزلیں لکھیں اوراس قدراور شعریت سے پُر طویل غزل لکھنے والی پہلی شاعرہ قرار پائیں۔اس کے علاوہ اُنھوں نے سچے عاشقوں کی چھ داستانوں کو بھی ''سچی محبتوں کی منظوم داستانیں'' کے عنوان سے منظوم کیا ہے جن میں ''ہیر رانجھا''،سسی پنوں،لیلیٰ مجنوں،سوہنی مہینوال،شیریں فرہاد اور رومیو جیولٹ شامل ہیں، یہ کام بھی انفرادیت کا حامل ہے کیوں کہ محترمہ شاہدہ لطیف کے تین منظوم سفر ناموں کے علاوہ ہمیں ایسا انفرادی کام کسی اور شاعرہ کا نظر نہیں آتا۔اب فی زمانہ کشش کا ایک اور انفرادیت کا حامل کام سامنے آیا ہے جو اس کے سر پر ایک اور اوّلیت کا تاج رکھنے والا ہے اور وہ ہے حمدیہ قصیدہ ''اے ربِ ذوالجلال۔''جس کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

۱۔حمدیہ قصیدہ تین سو تیرہ اشعار پر مشتمل ہے۔

۲۔تشبیب،گریز،مدح اور دعا کا لوازمات کا عکاس ہے۔

۲۔کسی شاعرہ کا ابھی تک حمدیہ قصیدہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔

۳۔اتنا طویل حمدیہ قصیدہ بھی کسی شاعرہ کا نہیں نظر آتا۔

۴۔دنیائے اُردو ادب میں ابھی تک جتنے قصیدے لکھے گئے ہیں وہ تمام کے تمام غزل کی ہیئت میں ہیں۔

۵۔کشش کے نوٹ کے مطابق ادبی اجتہاد کرتے ہوئے حمدیہ قصیدہ مثنوی کی ہیئت میں تخلیق کیا گیا

ہے۔ یہ اس کا تجربہ ہے جسے رد بھی کیا جا سکتا ہے اور اپنایا بھی جا سکتا ہے۔
۶۔قصیدے کے ہر شعر میں خالص حمد کا عکس نظر آتا ہے۔

میں اس کے حق میں ہوں کہ اللہ رب العزت کی تعریف کسی بھی صنفِ سخن میں کی جا سکتی ہے اور اُردو ادب میں کوئی در بند نہیں، بلکہ اُردو زبان و ادب کے پھیلنے میں یہ بات مددگار ثابت ہوتی ہے کہ اس میں نت نئے تجربات کیے جائیں۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ مثنوی کی ہیئت میں مثنوی تو ہو سکتی ہے، مگر قصیدہ نہیں، ان کا اعتراض رفع کرنے کے لیے ناقدینِ فنِ شاعری سے مدد طلب کرتے ہیں: بہ قول حالؔی:

''جہاں تک مثنوی کا تعلق ہے اس میں آپ حسن و عشق کی داستانیں بیان کیجیے یا جذبات نگاری اور واقعات نگاری کے لیے مثنوی کو کام میں لایئے، محبوب سے التفات کی باتیں کیجیے، محبوب کی فرقت میں آہ و زاری، وصل و فراق، جام و مینا، سوز و گداز سب ہی کچھ ہم کو مثنوی میں ملے گا۔ ان ہی خصوصیات کی بنا پر اُردو مثنوی اُردو کی جملہ اصنافِ سخن پر فوقیت حاصل کیے ہوئے ہے۔''

''اُردو میں سب سے پہلے ابتدائی نظمیں مختصر مثنوی کی شکل میں ملتی ہیں۔ اُردو میں مضامینِ نعت بھی مثنوی ہی میں بیان کیے جاتے رہے ہیں۔ نظامؔی کی مثنوی، کدم راؤ پدم راؤ، ملا وجہؔی کی مثنوی ''قطب مشتری''، نصرؔتی کی مثنوی ''گلشنِ عشق''، وغیرہ میں نعت کے خوب صورت اور پُر اثر مضامین موجود ہیں۔ مختؔار کا ''معراج نامہ'' بھی مثنوی ہے۔ غرض یہ کہ قدیم اُردو نعت گویوں نے زیادہ تر مثنوی ہی میں نعتیں لکھی ہیں۔

محمد محسؔن کاکوروی کا شمار دورِ متاخرین کے شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی زیادہ تر نعتیں مثنوی ہی کی صنف میں ہیں۔ ''کلیاتِ محسؔن'' میں تیرہ مثنویاں شامل ہیں۔

مثنوی میں کردار نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شبلی نعمانی کردار نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مثنوی میں اس کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص کیریکٹر (Character) قائم کیا جائے اور جہاں کہیں اس شخص کا ذکر آئے یہ کیریکٹر بدلنے نہ پائے کم سے کم یہ کہ ایسی کوئی بات نظر نہ آئے جو قائم کردہ کیریکٹر کے خلاف ہو۔

ناقدین کی آرا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اسلاف شعرائے کرام نے زیادہ تر نعتیہ مضامین مثنوی ہی کی ہیئت میں لکھے ہیں تو اِنھی اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے

اوران کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے بلکہ اس میں جدت پیدا کرتے ہوئے کشش نے نعت کی جگہ حمد کہہ دی ہے تو یہ کوئی خلاف قوانینِ ادب نہیں ہے بلکہ ایک طرح ڈالی ہے اور اُنھوں نے یہ اچھا گمان ظاہر بھی کیا ہے کہ اگر ناقدینِ فنِ نعت اس کو سراہیں تو ان کی یہ اداروا ج پاسکتی ہے۔

حمیدہ کشش نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ اپنے قصیدے کا مرکز ومحور ''ذاتِ الٰہی'' کو بنایا ہے تو رب العزت کی صفاتِ عالیہ، قدرتِ کاملہ، اوصافِ حمیدہ اور خلّاقی اور صنّاعی کو بھرپور انداز میں شعریت کا پیکر دیا ہے۔ اس کی ربوبیت کا اعلان، طاقت وقوت کا اظہار، اس کی رزاقی اور دن سے رات اور رات سے دن نکالنے کی قدرت کا حوالہ دیا ہے۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

نہایت ہی اعلیٰ نظام اُس کا ہے — دلوں میں سبھی کے قیام اُس کا ہے
وہی ہے سزاوارِ عزوشرف — اُسی کے گہر ہیں، اُسی کے صدف
تری حکمتوں کے عجب دیکھے رنگ — کہیں امن رکھے، کہیں رکھے جنگ
مساجد میں دیکھا ترا مرتبہ — کہ کعبہ پڑھے ہے ترا زمزمہ
ترا دین سب سے معیاری خدا — تری ذات سب سے ہے پیاری خدا
خدا مجھ پہ اِک اور احسان کر — قصیدے کو میری تُو پہچان کر
ترے اسم سونے میں تولوں سدا — ترے راز دنیا پہ کھولوں سدا
مرا ہر سخن تجھ سے ذیشان ہو — مرے ہر سخن کی تُو ہی جان ہو
تُو ہی دینے والا ہے عزوشرف — نگاہِ کرم ہو کشش کی طرف

شورش کاشمیری کی حمدیہ شاعری

اورنگ زیب

شورش کاشمیری ۱۴ اگست ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔شورش کاشمیری کا اصل نام عبدالکریم تھا۔ابتداء میں تخلص الفت استعمال کرتے تھے اس لیے عبدالکریم الفت ہوگئے لیکن یہ نام ان کی شعلہ بیاں شخصیت کے ساتھ میل نہ رکھتا تھا۔اس لیے شورش کاشمیری ہوگئے۔ان کے نام کے ساتھ آغا کا استعمال ان کے دوست چونی لال کاوش کے سبب پڑا۔آغا صاحب کو شاعری کا ذوق زمانہء طالب علمی میں ہوا۔وہ مدرسہ میں اپنے استاد مولوی نیاز نعمانی سے متاثر ہوئے۔نیاز نعمانی خود بھی ایک اچھے شاعر تھے۔آغا صاحب گھر میں ''زمیندار'' پڑھا کرتے تھے۔''زمیندار'' سے مولانا ظفر علی خان کی نظمیں یاد کر لی تھیں۔اس لیے بچپن سے ہی شاعری کا ذوق پیدا ہوگیا۔انھوں نے شاعری کا آغاز چودہ سال کی عمر میں کیا۔ابتداء میں احسان دانش ان کو گھر پر پڑھاتے رہے اس کے بعد احسان دانش سے شاعری میں اصلاح بھی لی۔وہ احسان دانش کو اپنا استاد مانتے تھے۔ رومانوی نظمیں لکھیں تو اختر شیرانی سے اصلاح لی۔علامہ تاجور سے بھی رجوع کیا لیکن ان سے فیض حاصل نہ کر سکے۔مولانا ظفر علی خان سے تو وہ بچپن میں ہی متاثر تھے اس لیے ان سے بھی اصلاح لیتے۔وہ جب جیل میں رہے تو شاعری کا سلسلہ منقطع رہا۔اس دوران انھوں نے چند ہی نظمیں لکھیں۔تاہم چٹان کا اجراء ہونے کے بعد شعروشاعری کا سلسلہ جاری رہا۔آغا صاحب کبھی کسی مشاعرے میں بطور شاعر شامل نہ ہوئے۔شورش کاشمیری کی کلیات الفیصل ناشران لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔اس کی اشاعت سوم جون ۲۰۰۹ء میں ہوئی۔اس کے کل صفحات ۱۸۱۹ء ہیں۔اس کے پہلے صفحے پر مسعود شورش نے محمد فیصل مالک ''الفیصل ناشران'' کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے اپنی محنت اور کاوش سے شورش کا غیر مطبوعہ کلام مرتب کیا۔اس کلیات میں شورش کے مجموعہ کلام ''گفتنی ناگفتنی، چہ قلندرانہ گفتم اور الجہاد الجہاد'' شامل ہیں۔جبکہ ان کا غیر مطبوعہ کلام ''باقیات'' کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ان کے شعری مجموعوں میں حمدیہ نظمیں شامل ہیں جبکہ دیگر اصناف میں بھی حمدیہ اشعار ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ثنا کا فیض بھی اس بابرکت ذات کا کرمِ خاص ہے۔حمدیہ شاعری دلی

جذبات کی متقاضی ہے۔شاعر اپنے خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر اپنے جذبات اور احساسات بیان کرتا ہے۔دل سے نکلنے والی بات دل پر اثر کرتی ہے یہی سبب ہے کہ حمدیہ شاعری دلوں کو مسخر کرتی ہے۔جب دل میں سچا عشق اور لگن ہو تو الفاظ بارش کے قطروں کی طرح دماغ سے کاغذ پر اترتے چلے جاتے ہیں۔شورش کاشمیری کی حمدیہ شاعری بھی ان کے دلی جذبات کی ترجمان ہے۔انھوں نے اپنی آخری سانس تک اسلام کی خدمت کی اور اسلام دشمن عناصر کا سیسہ پلائی دیوار کی طرح سامنا کیا۔شورش کاشمیری تاحیات اسلام دشمن عناصر کو بے نقاب کرنے میں سرگرداں رہے۔وہ ایک باکمال خطیب تھے۔ان کو بطلِ حریت کا لقب ملا مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں،ان کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں تو عجز وانکساری کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔شورش کاشمیری ''چہ قلندرانہ گفتم'' کے دیباچے میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اس مجموعے میں حمد ونعت کا تعلق ہے۔معاملہ صاف ہے ہر انسان اپنے رب کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔اس کا دروازہ اپنی مخلوق کے لیے بند نہیں وہ سب کا پروردگار ہے۔اس کے فضل وکرم کا سمندر اتنا بے کراں ہے کہ انسانی فہم ونظر کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا ہے۔غور وفکر کی تمام بلندیاں اس کی بارگاہ کے روبرو سر جھکا دیتی ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف کا فیض اس کو نصیب ہوتا ہے جسے وہ نوازتا ہے۔شورش کاشمیری بھی اپنی حمدیہ شاعری کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتے ہیں۔اس کا اظہار انھوں نے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے:

اب اس انعام سے بڑھ کر کوئی انعام کیا ہوگا
کیا شورشؔ کو حمد ونعت میں رطب اللسان تُو نے

حمد اللہ سے عشق کے اظہار کا ذریعہ ہے۔اللہ سے عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔اس عقیدہ کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔شورش کاشمیری کی حمدیہ شاعری میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار ہے۔ان کی ایک حمد کی ردیف ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔شورش کاشمیری حمد وثنا کا منبع لا الہ الا اللہ کو سمجھتے ہیں۔ان کے حمدیہ اشعار گواہ ہیں:

کلیدِ حمد وثنا لا الہ الا اللہ خلاصہ ہائے دعا لا الہ الا اللہ
میں اس چمن میں غریب الدیار ہوں شورشؔ مری دعائے رسالا الہ الا اللہ

شورش گویا مسلسل کلمہ حق بلند کررہے ہیں جس کا صاف طور پر یہ مطلب ہے کہ جب بندہ اللہ کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔شورش کے مخالفین انھیں طرح طرح سے خوف زدہ کررہے ہیں مگر اس کے باوجود وہ ان کی آواز کو دبا نہیں سکے تھے۔مخالفین انھیں اس طرح زیر نہیں کرسکے۔ان کا پیغام اور صدا ''لا الہ الا اللہ'' ہی رہا۔شورش کاشمیری کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو ان کی پوری زندگی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔وہ تمام عمر باطل کے سامنے نہیں جھکے اور نہ ہی کسی ظالم و جابر کے سامنے اپنی بات سے پھرے۔قید و بند کی صعوبتیں بھی انھیں ان کے مقصد سے ہٹا نہ سکیں۔مخالفین ہمیشہ ان کے خلاف برسرِ پیکار رہے لیکن وہ مردِ مجاہد اسلام کی عظمت کی خاطر ان کا سامنا کرتے رہے۔یہ شعر ان کی حقیقی زندگی کا ترجمان ہے:

ڈرا رہے ہیں مجھے سرکشوں کے ہنگامے مگر ہے میری نوا لا الہ الا اللہ

شورش کاشمیری حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس ذات نے ہم پر دنیا کے ہنگامے آسان کردیے ہیں مراد دنیا میں جتنی بھی سرگرمیاں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے آسان ہوگئی ہیں۔وہ اپنی امت کو خیر لامم کا مرتبہ عطا ہونے اور حضور پاک ﷺ کا امتی ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔حضور پاک ﷺ خاتم النبین ہیں۔ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔وہ دنیا میں مخلوق کے لیے باعثِ رحمت ہیں جبکہ آخرت میں بھی ہم سب کے لیے باعثِ شفاعت ہوں گے۔شورش اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور پاک ﷺ کا امتی بنایا۔

وہ اس حمد میں اللہ پر توکل کرنے والوں کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، وہ دنیا میں کسی بادشاہ کو خاطر میں نہیں لاتے جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی نظروں میں اور کسی چیز کی وقعت نہیں ہوتی۔اللہ پر ایمان رکھنے والے صرف اسی پر یقین رکھتے ہیں صرف اسی کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔اللہ پر توکل ایسا مضمون ہے۔جسے تمام شعراء نے اپنایا ہے۔مولانا الطاف حسین حالی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

شورش کاشمیری بھی اللہ پر توکل کرتے ہیں:

ہمیں کونین میں خیرالامم کا مرتبہ بخشا
بنا کر امتِ پیغمبرِ ہر دو جہاں تو نے
ہم ایسے خاک کے ذروں کو مہر و ماہ کر ڈالا
بہ فیضِ خواجہ کونینؐ اے ربِّ دو جہاں تو نے
ترے بندے شہنشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے
کیا دانشورانِ دیں کو بھی آتش بجا تو نے

شورش کاشمیری مجازی خداؤں سے مانگنے کی بجائے اسی ذات باری تعالیٰ سے مانگنے کی تلقین کرتے ہیں۔وہ صرف اللہ کی ذات کو مشکل کشا کہتے ہیں۔حقائق کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی بھی مشکل کشا نہیں ہے۔اپنے بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا اور انھیں مصائب اور پریشانیوں سے نجات دلانا،صرف اللہ کے دسترس میں ہے۔انسان اگر اللہ تعالیٰ سے لو لگالے تو وہ رحیم وکریم اس کی تمام مشکلات حل کر دیتا ہے۔ مسلمانوں نے جب اللہ پر توکل کیا ہے تو وہ کامیاب وکامران رہے ہیں۔نہ صرف کامیاب رہے بلکہ اللہ کی مدد کے طفیل دنیا پر حکومت کرتے رہے۔اور جب مسلمانوں نے اللہ کی بجائے غیراللہ سے مشکل کشائی کی امید رکھی ہے تب تب وہ نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔اسی لیے شورش بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مانگنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ انھیں یقین ہے کہ وہ ہی مشکلیں دور کرنے والا ہے:

اس رہنما سے مانگ نہ اس رہنما سے مانگ
شورش جو مانگنا ہے وہ اپنے خدا سے مانگ
مشکل کشا ہے ذاتِ خداوندِ ذوالجلال
کیا مانگتا ہے غیر سے مشکل کشا سے مانگ

شورش کا غیر مطبوعہ کلام ''کلیاتِ شورش'' میں باقیات کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ایک حمد ''بیت اللہ'' کے نام سے ہے۔ یہ حمد ۱۹۶۹ء میں لکھی گئی۔شورش نے اس حمد کی ردیف میں صنعتِ تکرار کا استعمال کیا ہے۔حمد کی ردیف ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' ہے۔تکرار سے کلام میں زور،تاثیر اور حسن پیدا ہوتا ہے۔لفظ اللہ اکبر کی تکرار سے حمد میں تاثیر پیدا ہوئی ہے۔یہ حمد حرم شریف میں عمرہ کے فوراً بعد لکھی گئی۔اس حمد میں خانہ کعبہ کے لیے ان کے دلی جذبات کا اظہار

ہے۔خانہ کعبہ کی زیارت ہر مسلمان کی آرزو ہوتی ہے۔مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں اور اسے اللہ کا انعام سمجھتے ہیں کہ اس نے انھیں اپنے در پر حاضر ہونے کا شرف بخشا۔خانہ کعبہ کی زیارت ہر مسلمان کا خواب ہوتا ہے اور جب یہ خواب حقیقت کا روپ اختیار کرتا ہے تو ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ان کے دل عشقِ الٰہی سے مامور ہو جاتے ہیں۔جذبۂ ایمانی بڑھ جاتا ہے اور مسلمان اپنی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس کی حمد وثنا میں محو ہو جاتے ہیں یہی کیفیت شورش کاشمیری کی بھی ہے۔وہ بیت اللہ میں اپنی حاضری کو تقدیر کا لکھا سمجھتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی رونق بیان کرنا چاہتے ہیں مگر اپنے قلم میں سکت نہیں پاتے کہ اس رونق کو بیان کر سکیں۔اس رونق کی کوئی حد نہیں ہے۔بیت اللہ میں تمام اہلِ ایمان یادِ الٰہی سے سرشار اللہ کی یاد میں مگن رہتے ہیں۔شورش اللہ کے گھر میں رہ کر اس کے مختلف مقامات کا ذکر کرتے ہیں۔حجرِ اسود کو چومنے اور حرم میں گھومنے پر وہ اپنی قسمت پر نازاں ہیں۔ شورش کاشمیری کو بیت اللہ میں جو فیض حاصل ہوا اور جو چین وقرار ان کو نصیب ہوا۔وہ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔اس گھر میں ملنے والی خوشی،چین،قرار اور روحانی تاثیر کو کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔بیت اللہ میں حرم کے طواف کے دوران شورش کا اپنے رب کے ساتھ تعلق مضبوط ہوا ہے۔حرم کے طواف کے دوران ان کو ہر گھڑی اپنا خدا نظر آتا ہے مراد یہ ہے کہ اس طواف کے دوران رب کی قربت میں اضافہ ہوا ہے اس لیے ہر جا اللہ تعالیٰ کی جھلک نظر آتی ہے۔

شورش بیت اللہ آمد کو تحریکِ ختمِ نبوت کا صلہ قرار دیتے ہیں۔بیت اللہ تک پہنچنے کی سعادت ان کو عشقِ رسول ﷺ کی بدولت نصیب ہوئی۔شورش کاشمیری مکہ کے شہر میں اللہ کی محبت میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ انھیں مکہ معظّمہ کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے سربسجود محسوس ہوتا ہے۔ زمین وآسمان تک ہر شے شورش کو اللہ کے سامنے سربسجود نظر آتی ہے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف ہے اور اس کا سبب حضور پاک ﷺ ہیں انھوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پھیلایا اور ایک خدا کی عبادت کی تلقین کی۔ان کی بدولت کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی تعریف میں مگن ہے۔حمد کے آخری شعر میں شورش اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ ختمِ نبوت کے خلاف آنے والی ہر طاقت کا سامنا کریں گے۔سازشیں کرنے والے ان سے بچ نہ سکیں گے۔حمد میں تراکیب بھی استعمال کی گئی ہیں۔جیسے حمد وثنا،صدق وصفا، مہر ووفا،مصدر ومنبع،دیدہ ودل،صحنِ حرم،حجرِ اسود،نوکِ قلم،طوافِ حرم،عشقِ رسالت،ارض وسما۔

حمد میں شورش کاشمیری نے صنعت تکرار کا استعمال بخوبی کیا ہے۔حمد کی ردیف میں تکرار موجود ہے۔تاہم کچھ اشعار میں ردیف کے علاوہ باقی الفاظ سے بھی تکرار پیدا کی گئی ہے۔جس سے ان اشعار میں غنائیت پیدا ہوگئی ہے اور حمد کا آہنگ اور تاثیر دوبالا ہوگئے ہیں۔

آج مری تقدیر رسا ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر
میں ہوں، بیت اللہ کی فضا ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر
ابراہیمؑ کے گھر کی رونق، حدِ بیاں میں آ نہیں سکتی
حمد وثنا ہی حمد و ثنا ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر
امِ قریٰ کا ذرہ ذرہ، میرا امؐ کے لطف وکرم سے
سجدہ گزارِ ارض و سما ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر
شورش اب دزدانِ نبوت میری زد سے بچ نہ سکیں گے
اللہ سے یہ عہد کیا ہے ،اللہ اکبر اللہ اکبر

شورش کاشمیری کی حمد یہ شاعری اللہ تعالیٰ سے ان کے حقیقی عشق کا اظہار ہے، ان کی قلبی واردات کی ترجمان ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگتے اور نہ کسی اور کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔وہ اللہ کے سہارے کو اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں۔انھوں نے تراکیب کا استعمال بھی بخوبی کیا ہے۔ان کا حمد یہ سرمایہ مختصر ہے مگر فکری وفنی اعتبار سے ان کو حمد گو شعراء میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔حمد یہ اشعار میں لب ولہجہ مؤثر ہے اور عربی الفاظ کا استعمال بہ کثرت کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شورش کاشمیری، کلیاتِ شورش، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۸۹، ۲۹۰
۲۔ ایضاً، ص ۲۹۴ ۳۔ ایضاً، ص ۲۹۲
۴۔ ایضاً، ص ۲۹۲
۵۔ الطاف حسین حالی، مولانا، کلیاتِ نظم حالی، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، س ن، ص ۸۶
۶۔ شورش کاشمیری، کلیاتِ شورش، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۳
۷۔ ایضاً، ص ۳۸۸ ۸۔ ایضاً، ص ۱۱۱۵، ۱۱۱۶

حمدیں:

o

یکتا و بے مثال ہے اپنی صفات میں
دوجے کا شائبہ بھی نہیں تیری ذات میں
جلوہ دکھا رہا ہے تو ہی شش جہات میں
تیرا کوئی شریک نہیں کائنات میں
واحد، وحید، اور اَحَد تیری ذات ہے
بے عیب تیری ذات، صمد تیری ذات ہے

جس کو نہیں زوال، ترا اقتدار ہے
تیری ہی سلطنت ہے ترا اختیار ہے
مالک، ملک، ملیک ہے تو کردگار ہے
یعنی ہر اک جہان کا پروردگار ہے
سب کا تو کارساز ہے، تو دستگیر ہے
مولا ہے تو، وکیل ہے، نعم النصیر ہے

یہ زندگی ہے نور، حوالہ تُو ہی تو ہے
ہر ایک بالا دست سے بالا تُو ہی تو ہے
سبحان ہے عظیم ہے اعلیٰ تُو ہی تو ہے
سارے جہاں کو پالنے والا تو ہی تو ہے
رہتا ہے سانس بن کے تُو ہستی کی جان میں
نافذ ہے تیرا حکم زمیں آسمان میں

محدود کب ہیں تیری عطائیں، مرے خدا
سنتا ہے مضطرب کی دعائیں، مرے خدا
کردے معاف میری خطائیں، مرے خدا
اور ٹال دے تمام بلائیں، مرے خدا
مشکل کشا ہے تُو، مری مشکل کشائی کر
فتنے ہیں چار سمت، مری رہنمائی کر

ابرار حسین نیئر

o

ترے قرباں ہر اک لمحہ اے مجھ کو تھامنے والے
تری کیا بات ہے پتھر میں کیڑا پالنے والے
تُو یکتا ہے،تُو واحد ہے،تُو خالق ہے،تُو مالک ہے
اندھیرے آسماں پر چاند تارے ٹانکنے والے
خسارے میں رہیں گے حشر تک جو تیرے مُنکر ہیں
فلاح دارین میں پائیں تجھے سب ماننے والے
تُو حاکم ہے ترا سکّہ چلے گا اوّل و آخر
دِلوں میں جو چھُپے ہیں بھید سارے جاننے والے
جہاں کی دیکھتی آنکھوں میں تیرا نُور ہے یا رب
اُذُن جتنے بھی ہیں اُن میں سماعت ڈالنے والے
تُو چاہے تو ٹلے گی گردشِ ایّام احسن کی
زمانے کی ہر اک گردش کو پَل میں ٹالنے والے

احسان الٰہی احسن

o

بزرگ و برتر ہے ذات تیری
بزرگ و برتر مقام تیرا
نگاہِ ادراک نارسا ہے
خیال کے دائروں سے مولا!
تری حقیقت کہیں ورا ہے
تُو ماورا ہے
ہر اِک زمانے کی لوحِ بے رنگ پر رقم ہے دوام تیرا
نہ جانے کب سے، نہ جانے کب تک؟
مکان اور لامکان میں ہے قیام تیرا
ازل ابد پر بھی سایہ افگن ہے ذات تیری
ازل ابد سے اِدھر اُدھر بھی ہے نام تیرا
ہر اِک جبیں تیرے آستاں پر جھکی ہوئی ہے
ہر ایک رفعت، ہر ایک عظمت
ہے تیری چوکھٹ پہ سر خمیدہ
زمین تیری، زمان تیرے
مکین تیرے، مکان تیرے

ہر ایک شے پر ہیں ثبت مولا! نشان تیرے

بزرگ و برتر ہے ذات تیری

بزرگ و برتر مقام تیرا

نگاہِ ادراک نارسا ہے

خیال کے دائروں سے مولا!

تری حقیقت کہیں ورا ہے

تُو ماورا ہے

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

o

ظہور یکتا واحد کوبکو ہے
اسی کا ذکر ہوتا سو بسو ہے
ہر اک تخلیق ذکرِ بے کراں میں
سنو تہلیل خالق چار سو ہے
محیط و غالب و حافظ ہے سب پہ
نہاں ہے آنکھ سے پر روبرو ہے
تضادِ ثقل و قائم اس لیے ہے
خودی جو خود خودی کے دو بدو ہے
کسی کو حق نہیں چین و چرا کا
یہاں اعجاؔز ہر شے ضوبضو ہے

اعجاز چشتی

o

خطا سے پُر بہت فردِ عمل کا گوشوارہ ہے
کرم اُس کا ہی بس ہم جیسے بے چاروں کا چارا ہے
ہماری زندگی میں دو کریموں کا سہارا ہے
احد کو ہم نے احمد کے وسیلے سے پکارا ہے
ہر اک شے ہے یہاں منہ بولتی تصویر قدرت کی
ہر اک منظر پہ غالب اُس کی وحدت کا نظارا ہے
ہے کس برتے پہ دل اپنا خدا کے خوف سے خالی
غضب کا اس کے کس میں سامنا کرنے کا یارا ہے
سبب اورنگؔ یہ ہے دربدر خواری کا بس اپنی
طلب کرنا تھا کس سے اور کہاں دامن پسارا ہے

اکرام الحق اورنگ

o

میں پڑھتی ہوں تری حمد و ثنا سن
مرے کون و مکاں کے خالقا سن
مجھے موجود میں آجا میسر
فلک کے پار بیٹھے، مالکا سن
الٰہی ڈر رہی ہوں اپنے شر سے
الٰہی ڈر رہی ہوں ,بارہا سن
ہمارا جو تعلق ہے وہ لکھ دوں؟
اے میرے دوست،میرے دوستا سن
مرا ہونا ہی ہے تیری گواہی
میں دیتی ہوں شہادت، واحدا سن
دعائیں بھیج دی ہیں تیری جانب
کرم کر اب کرم کر یا خدا سن
مری مٹی مجھے پھر سے چکھا دے
مرے ہاتھوں پہ رکھی التجا سن
اشارے سے جو چلتی ہے وہ دنیا
کرم کی منتظر ہے وارثا سن
میں سب سے آخری صف میں کھڑی ہوں
مری حاجت،مرے حاجت روا سن
تری انجیل تجھ سے کہہ رہی ہے
اتر آ، بات کر،مشکل کشا سن

انجیل صحیفہ

حمدیہ رباعیات

ہر لمحہ ہو دل مرا اُس سے آگاہ
معدوم ہے ہر ،ہمسری اُس کی واللہ
اول ہے وہی، واحد و علام وہی
اللہ ہی اللہ ہے ، اللہ اللہ

واسع ہے وہی اور وہی ہے علّام
امداد کے حامل ہوئے اُس کے احکام
ہر لمحہ اُسی کی ہے عطا اور کرم
محدود ہوں کس طرح احد کے اکرام

تنویر پھول

o

سمیع ایسا کہ سنتا ہے
سیہ شب میں سیہ رنگ پر
سیہ رنگت کے کیڑے کی صداؤں کو
بصیر ایسا ہوائیں کیا
زمین و آسمانوں کا
کوئی بھی خشک و تر اس سے
پوشیدہ نہیں رہتا
مصور ہے کہ پانی سے
نقوشِ زندگی تخلیق کرتا ہے
رحیم ایسا کہ
جذبوں میں محبت خلق کرتا ہے
صمد ہے وہ کہ جو چاہے جہاں رکھ دے
تبسم گھول دے ہونٹوں پہ
یا آہ و فغاں رکھ دے
وہ چاہے تو غنی کر دے
جو چاہے تو گدا کر دے

وہ مالک ایسا مالک ہے کہ

جو مانگو عطا کر دے

جو بندہ اس کا ہو جائے

وہ ہو جاتا ہے بندے کا

دعا مانگو تو بدلے میں

وہ رد و کد نہیں کرتا

دعائیں رد نہیں کرتا

ثقلین انجم

o

جو رحمتِ تمام ترا شاہکار ہے
اے میرے رب! وہ ایک ہے اور بے شمار ہے
بے اعتباریوں نے لکھا ہے بہت مجھے
تُو زخم دے کہ پھول، تجھے اختیار ہے
اوروں کے خواب گردشِ سیارگاں میں گم
میں وہ خیال جس کو ترا اعتبار ہے
مجھ میں ہے تیری یاد کا اک ایسا آئینہ
سورج بھی جن کے سامنے گرد و غبار ہے
خوش رنگ موسموں کو ملا ہے ترا ہنر
پیاسی زمیں کے واسطے تُو آبشار ہے
صدیوں کے تجربے نے بتایا یہی مجھے
تیرا وجود ازل سے ہے اور بے کنار ہے
میں تیرے اس تضاد کی مدحت گری میں ہوں
آتش فشاں کے زیرِ قدم آبشار ہے

جاذب قریشی

o

کون اس غم سے رہائی دے مجھے
ہر خوشی جھوٹی دکھائی دے مجھے
منکشف کر سوچ سے پہلے کی بات
لفظ سے آگے رسائی دے مجھے
دل تہوں میں کوئی سرگوشی اُگا
فصلِ صبحِ آشنائی دے مجھے
لا مکاں بھی آنکھ پُتلی میں کِھلے
وہ نگاہِ ماورائی دے مجھے
کشتیِ جاں اک کنارے تو لگے
درد کوئی انتہائی دے مجھے

جلیل عالی

o

وہ ''العظیم'' ہے اُس کو بڑائی زیبا ہے
سو اُس کی عالمِ کُل پر خدائی زیبا ہے
وہ ذات جس کے تصرّف میں ہے خزانۂ غیب
وہ کبریا ہے، اسے کبریائی زیبا ہے
اسی کے نور سے روشن ہیں یہ زمان و مکاں
اسی کے جلووں کو جلوہ نمائی زیبا ہے
نہیں ہے کوئی سمیع و بصیر اس کے سِوا
اسی کو ہی تو دلوں تک رسائی زیبا ہے
جو کر رہا ہے زمانوں کی حاجتیں پوری
اسی سخی کو ہی حاجت روائی زیبا ہے
جو بہترین وسیلہ ہے ہر ضرورت کا
اسی کے آگے ہی تو جبہ سائی زیبا ہے
جبیں جڑی ہے مری التواب کے در سے
مجھ ایسے کو اسی در کی گدائی زیبا ہے
ہیں اس کی عظمتیں آزرؔ وسیع و لا محدود
اُسی کی ذات کو کشور کشائی زیبا ہے

ڈاکٹر جنید آزر

o

بڑی آسانیوں میں ہوں یہ تیری ہی عنایت ہے
میں جو کچھ ہوں مرے مولا وہ سب تیری بدولت ہے
جہانِ رنگ و بو میں خاک کا پُتلا ہوں میں لیکن
''مرا ہر اک نفس اللہ کے ہونے کی شہادت ہے''
ترے اظہار کی صورت ہوں میں اے خالقِ باری!
مرے اظہار میں موجود تیری شانِ وحدت ہے
نہیں تخصیص نیک و بد، کرم ہرایک پر تیرا
برابر ہر نفس کے واسطے تیری محبت ہے
یہ تیرے کام ہیں تُو ہی سمجھتا ہے انھیں بہتر
مرے مالک! ترے ذمے جو کھربوں کی کفالت ہے
کروں گا سامنا کیسے سرِ محشر ترا، پھر بھی
مری بخشش کا اک واحد سہارا تیری رحمت ہے
رہِ صدق و وفا سے دور ہوں میں کس قدر حامدؔ
مرے اطراف میں پھیلی ندامت ہی ندامت ہے

حامد علی سید

o

نگر نگر تیرا آستاں ہے، عجب سماں ہے
کہ آفرینش ترا نشاں ہے عجب سماں ہے
مرے تخیل میں تیری صورت نہ تیری مُورت
ہر ایک منظر دھواں دھواں ہے عجب سماں ہے
تمھاری جلوہ نمائیاں ہیں جہان بھر میں
مری بصارت کا امتحاں ہے عجب سماں ہے
میں چار ہی دن کا مختصر سا ہوں کھیل لیکن
تمھاری ہستی تو جاوداں ہے عجب سماں ہے
کسی سے نفرت کروں تو کیسے ،مجال کیسی
ہر ایک چہرے میں تُو نہاں ہے عجب سماں ہے
مرے سیاہ و سفید کی سب خبر ہے تجھ کو
تُو ہی تو اک میرا رازداں ہے عجب سماں ہے
کبھی تو منزل کو پا ہی لوں گا، ہے عشق رہبر
ابھی تو جذبہ مرا جواں ہے عجب سماں ہے
مجھے یقیں ہے تو حسن کا شاہکار ہو گا
اسیر تیرا سبھی جہاں ہے عجب سماں ہے

حسنین ساحر

o

کو بہ کو تیری ذات ہے مولا
تُو سراپا صفات ہے مولا
میں جہاں میں کہاں اکیلا ہوں
تُو مرے ساتھ ساتھ ہے مولا
تیری حکمت سے اب تلک زندہ
چار سُو ، کائنات ہے مولا
مار سکتا نہیں مجھے کوئی
موت بھی تیرے ہاتھ ہے مولا
نور اپنا مجھے عطا کر دے
میرے آنکھوں میں رات ہے مولا

حسین امجد

o

یہ آفتاب وقمر تیری حمد کرتے ہیں
ستارگانِ سحر تیری حمد کرتے ہیں
یہ سبزہ زار، یہ گلشن ،یہ لہلاتے کھیت
یہ سایہ دار شجر، تیری حمد کرتے ہیں
نہیں ہے نطق و زبان و دہن ہی مدح سرا
خیال و فکر و نظر تیری حمد کرتے ہیں
یہ دشت و بن ،یہ سمندر، یہ سربکف کہسار
عقیق ولعل و گہر تیری حمد کرتے ہیں
اندھیری شب میں فروزاں یہ کرمکِ شبِ تاب
پیمبرانِ سحر تیری حمد کرتے ہیں
ملائکہ ہی نہیں تیری حمد میں مصروف
تمام جن و بشر تیری حمد کرتے ہیں
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ ہفت رنگ دھنک
فلک پہ شام وسحر تیری حمد کرتے ہیں

خورشید بیگ میلسوی

o

کرم یوں بھی ترا مجھ پر مرے رحمٰن ہوجائے
کہ تیری حمد کرنا ہی مری پہچان ہوجائے
عطا کردے مجھے اشکِ رواں، آہِ سحر گاہی
مری بخشش کا یا رب کوئی تو سامان ہوجائے
میں تیرا ذکر کرتے کرتے سو جاؤں شبِ آخر
کھلے جب آنکھ تو دن سورۂ رحمٰن ہوجائے
تصور میں حرم ہو اور لب پر نام ہو تیرا
اسی انداز میں منزل مری آسان ہوجائے
اگر ہم توڑ دیں کشکول، اس کے در کو اپنالیں
تو ہم میں سے ہر اک دریوزہ گر سلطان ہوجائے
وہاں بھی قدر پالیتے ہیں تیرے چاہنے والے
جہاں زر ہی دلوں کے واسطے ایمان ہوجائے
دعا ہے یا الٰہی تیری ارضِ پاک کے صدقے
دلِ مومن کے جیسا میرا پاکستان ہوجائے

خیال آفاقی

o

آب و گِل کی سلطنت اپنی زبانی حمد ہے
پاک مٹی حمد ہے اور صاف پانی حمد ہے
فاختہ بن کر جو اُڑتی پھر رہی ہے شہر میں
یہ حقیقت میں کوئی صدیوں پرانی حمد ہے
یہ جو مٹی کے پیالے دفن ہیں زیرِ زمیں
یہ دفینہ ہے خزینہ، یہ نشانی حمد ہے
کائناتی پانیوں پر جو ازل سے ہے وہاں
یہ ہوا اور اس کی موجوں کی روانی حمد ہے
پیڑ پر اک گھونسلا اور گھونسلے میں مامتا
یہ زباں کی قید میں اک لامکانی حمد ہے
ہاتھ کی محنت، محبت ہے خدا کی ذات سے
آبیاری حمد ہے اور باغبانی حمد ہے
دیکھتا ہوں راستے میں مڑ کے جب اپنی طرف
سوچتا ہوں سر بہ سر میری کہانی حمد ہے

دانیال طریر

o

مقدر میں ہے کیا، تُو جانتا ہے
کسی کو کیا پتہ ، تُو جانتا ہے
نہیں اس بے نوا کا خالقِ کل
کوئی تیرے سوا ، تُو جانتا ہے
ضرورت کیا ہے ، میری چاہتیں کیا
مرے حاجت روا ! تُو جانتا ہے
خبر کیا عالمِ ظاہر کو مولا!
مرا اچھا برا تُو جانتا ہے
مخالف یا مرے حق میں ہے تیرا
کوئی بھی فیصلہ تُو جانتا ہے

داؤد تابش

o

یہی ہے وردِ اہم، لاالہ الا اللہ
لبوں پہ دم ہما دم، لاالہ الا اللہ
سوائے اِس کے کوئی بزم سج نہیں سکتی
کلیسا ہو کہ حرم، لاالہ الا اللہ
کہے جو میری زباں اُس میں رد و کد کیسی
لکھے جو میرا قلم، لاالہ الا اللہ
لقد خلق کی جو تفسیر جان لے دنیا
فاانما میں ہے ضم ، لاالہ الا اللہ
بھرم رکھا ہے خدا نے خود اپنی خلقت کا
کرم ہے صرف کرم، لاالہ الا اللہ
برائے پیشِ خدا خامشی ضروری ہے
برائے پیشِ صنم، لاالہ الا اللہ
وہ دستِ غیبی کیے جا رہا ہے چُپکے سے
ہر اک جبیں پہ رقم، لاالہ الا اللہ
اک اعتدال ضروری ہے آگہی کے لیے
زیادہ ہو نہ ہو کم، لاالہ الا اللہ
کِھلا ہے پھول مرے لب پہ حمد کا آزرؔ
مِلا ہے رزق بہم، لاالہ الا اللہ

دلاور علی آزر

o

خدائے پاک ہر شے دیکھتا ہے، سب کی سنتا ہے
وہ نظم ونسق ساری کائناتوں کا چلاتا ہے
ہر اک دروازۂ علمِ حقیقت اس نے کھولا ہے
اسی سے ہر توانائی ہے، وہ سب سے توانا ہے
توازن ہے پہاڑوں کا، سہارا آسماں کا ہے
زباں وہ کنکروں کو بند مٹھی تک میں دیتا ہے
میانِ پردۂ قوسین آئینے کا ہالہ ہے
سوا سرکارؐ کے جس کو کوئی کب دیکھ سکتا ہے
زباں پر نغمہ صبح و شام جو ''صلِ علیٰ'' کا ہے
عطائے رب سے یہ محمودؔ میرا استفادہ ہے
درِ غفار کو دستِ دعا جب کھٹکھٹاتا ہے
وہ مالک حادثاتِ دہر سے ہم کو بچاتا ہے
وہی جو سب کو عزت اور ذلت دینے والا ہے
ہمیں توقیر بخشے گا، یہ ہم سے اس کا وعدہ ہے
جسے محمودؔ اپنے سرورِ عالمؐ کا ایما ہے
بقدرِ استطاعت نعت گو وہ حمد کہتا ہے

راجا رشید محمود

o

شہِ لولاک کی تنویر کا آوازہ ہے
دشت اس کاتبِ تقدیر کا آوازہ ہے
وہ جو کہتا ہے کہ شہہ رگ سے قریں ہے اپنے
یہ جہاں ایسے خبر گیر کا آوازہ ہے
آئینہ خانہ اسی رنگ سے رنگین ہوا
چار سو آپ کی تصویر کا آوازہ ہے
دیکھنے والی نظر ہو تو نظر آئے گا
سب اسی ذات کی تشہیر کا آوازہ ہے
رات ڈھل جائے گی تو راز کُھلے گا راشدؔ
صبحِ نو میں تری تسخیر کا آوازہ ہے

راشد علی مرکھیانی

o

مسلسل اس کا کرم لا الہٰ الا اللہ
ہو وردِ دم ہمہ دم لا الہٰ الا اللہ
ملال دور ہوا ، حل معاً سوال ہوا
کھلا وہ سرِ عدم لا الہٰ الا اللہ
رَمادِ راہِ عمل، لعل وگوہر والماس
مرادِ اہلِ ہمم لا الہٰ الا اللہ
مرا اصول، وداعِ ہوا وحرص و ہوس
دوا ومدرکِ سم لا الہٰ الا اللہ
دلِ ملول ،ملا ،ہر طرح ملا آرام
سرورِ راہِ عدم لا الہٰ الا اللہ
اساس واصل دوعالم حدِ سما وسمک
درِ حصارِ حِکم لا الہٰ الا اللہ
اگر ہو درک کلامِ رسول کا راغبؔ
گلِ سوادِ اِرم لا الہٰ الا اللہ

راغب مرادآبادی

o

ہر شخص مانتا ہے ہر این وآں اسی کا
ہر ذرہ اس جہاں کا رطب اللساں اسی کا
دونوں جہان پر ہے رب کی ہی حکمرانی
یہ بھی جہاں اسی کا وہ بھی جہاں اسی کا
اس کے کرم کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے ہر سو
پھولوں کا ذکر کیا ہے، ہر گلستاں اسی کا
یہ عرش وطور وفاراں اس کی ہی جلوہ گاہیں
اقصیٰ ہو یا حرم ہو، ہر آستاں اسی کا
یہ دشت وکوہ ودریا مدحت گزار اس کے
یہ بھی زمیں اسی کی، ہرآسماں اسی کا
یہ ماہ و مہر وانجم گرداب وبحر وساحل
جس کو بھی دیکھتے ہیں ہے نغمہ خواں اسی کا
اک حرفِ کن سے جس کے پیدا ہوئے دو عالم
میرا نبی تبسّم ہے عکس جاں اسی کا

ریحانہ تبسم فاضلی

o

فقط تیری مدد ہر اک نفس درکار ہے مجھ کو
لگے ٹھوکر، تو آ کر تھامتا ہر بار ہے مجھ کو
نہیں مایوس تیرے بے کراں لطف وکرم سے میں
تری بے پایاں رحمت سے کہاں انکار ہے مجھ کو
اگر کر دے کرم اک بار بیڑا پار ہوجائے
خطا کاروں میں ہوں اس بات کا اقرار ہے مجھ کو
شہر کیا ہے ترے محبوب کا پوچھے کوئی مجھ سے
کہ ہر ذرّہ دیارِ نور کا شہوار ہے مجھ کو

سیدہ زینب سروری

o

ابتدا سے قدیم جانتا ہوں
شانِ رب العظیم جانتا ہوں
لم یزل کی صدائے کُن کے طفیل
حرمتِ حرفِ میم جانتاہوں
ختم تجھ پر ہے انتہائے کرم
تجھ کو سب سے کریم جانتا ہوں
سب مظاہر پہ تیری قدرت ہے
اس لیے میں علیم جانتا ہوں
سارے عالم میں لاشریک ہے تُو
اس لیے میں حلیم جانتا ہوں
ہوں ثنا خواں ترے محمد کا
خود کو ساجدؔ کلیم جانتا ہوں !

ساجدرضاخان

o

کچھ نہیں لفظوں کے یہ گلدان وفکر وآ گہی
گرد تیرے نام کی عرفان وفکر وآ گہی

تُو بنا دیتا ہے قطرے کو سمندر اے خدا!
ایک کر دیتا ہے جب ایمان وفکر وآ گہی

تُو اگر چاہے تو ذرے کو بنا دے آفتاب
بخش دے چاہے جسے عرفان وفکر وآ گہی

خاک کو کندن بنا سکتی ہے تیری اک نظر
تجھ پہ قرباں میرے جسم و جان وفکر وآ گہی

مہرباں ہو تُو تو ہو بنجر زمیں گل آفریں
مجھ سے عاصی کو ملے وجدان وفکر وآ گہی

جو نصیبِ جامی و حسان تھے پروردگار
ہو عطا مجھ کو بھی وہ ایمان وفکر وآ گہی

کیا سخن کیا آرزوئے طوفِ کعبہ اے خدا!
ہے تو ہی بس حاصلِ ارمان وفکر وآ گہی

سجاد سخن

o

بجھتی آنکھوں کے سوالوں میں تجھے دیکھا ہے
اچھے لفظوں کی مثالوں میں تجھے دیکھا ہے
میں نے کتنے ہی جلیلوں میں تجھے دیکھا ہے
میں نے کتنے ہی جلالوں میں تجھے دیکھا ہے
کون کہتا ہے کہ ہر آنکھ سے اوجھل ہے تُو
میں نے قرآں کے حوالوں میں تجھے دیکھا ہے
مجھ کو تاریکیِ دل میں تری تصویر ملی
میں نے رفعت کے اجالوں میں تجھے دیکھا ہے
عہدِ سرکار میں جو حق کی فتوحات ہوئیں
ان کی تلواروں میں، بھالوں میں تجھے دیکھا ہے
تپتے صحرا ،لبِ دریا پہ وہ صابر شاکر
کتنے ہی پیاس نڈھالوں میں تجھے دیکھا ہے
آسؔ کا دعویٰ نہیں ہے یہ حقیقت یارب!
اُس نے آقاؐ کے جیالوں میں تجھے دیکھا ہے

سعادت حسن آسؔ

o

شمس وقمر میں جلوہ نما اور کون ہے
تابع ہیں جس کے ارض وسما اور کون ہے
تیرے سوا ہے کون سزاوارِ بندگی
لازم ہے جس کی حمد وثنا اور کون ہے
پائی ہے جس کے نور سے آنکھوں نے روشنی
بخشی ہے جس نے دل کو ضیا اور کون ہے
زیبا کسے ہے شانِ کریمی جہان میں
عالم میں بحرِ جود وسخا اور کون ہے
ملتا نہیں ہے تیرے سوا کوئی چارہ گر
کرنے کو دردِ دل کی دوا اور کون ہے
بھر دے متاعِ چین سے جو کاسۂ گدا
سُن لے جو بیکسوں کی صدا اور کون ہے
پائیں کہاں سے منزلِ گم کردہ کا سراغ
تاریکیوں میں راہ نما اور کون ہے
ویراں جو بستیاں ہیں بسائیں گے کس طرح
خالق ہمارا تُو ہے، بتا اور کون ہے
کس در پہ جا کے بسملؔ عاجز ہو سجدہ ریز
بخشے جو عاصیوں کی خطا اور کون ہے

سلطان محمود بسمل

o

دل کو اسرارِ الٰہی سے گراں رکھا ہے
دور ہر دائرۂ وہم و گماں رکھا ہے
روح کو روحِ معلیٰ سے ملا رکھا ہے
ہر گھڑی وصل کا مسرور سماں رکھا ہے
ہاں اُسی کے لیے الحمد رواں رکھی ہے
لامکاں کے لیے دل کا سا مکاں رکھا ہے
کوہ و صحرا کے سلاسل ہوں کہ ارواح و ملک
ورد اللہ کا ہر لمحہ رواں رکھا ہے
آدمی وہ ہے سدا کام کسی کے آئے
اس لیے سلسلۂ عمرِ رواں رکھا ہے

سید تابش الوری

o

زندگی میں اے خدا صبح و مسا سے فیض یاب
تونے رکھا ہے مجھے پیہم عطا سے فیض یاب
ذکر میں کرتا رہوں تیرا مرے پروردگار
کر مجھے اس ابتدا میں انتہا سے فیض یاب
تونے جو روشن کئے ہیں آسماں پر مہر و ماہ
ہورہے ہیں خوب ہم ان کی ضیا سے فیض یاب
ہے تمنا میں کروں آکر ترے گھر کا طواف
اپنے گھر کی کر مجھے آب و ہوا سے فیض یاب
شکر ہے طاہر خدائے لم یزل کا لاکھ لاکھ
فکر کو میری کیا حرفِ ثناء سے فیض یاب

سید طاہر

o

شہ رگ کے وہ قریب ہوا دست و پا بغیر
اُس کے بنا رہا میں نہ اُس کے رہا بغیر

محبوب کے بغیر وہ ہے ماورائے قلب
میں اُس کا ذکر کیسے کروں مصطفیٰؐ بغیر

جیتی ہے صبح و شام کے آنگن میں کائنات
ممکن یہ کس طرح ہے بتا ،کبریا بغیر

اللہ پر یقین ہے تو جان جاؤ گے
کارِ حیات چل نہیں سکتا دعا بغیر

اک عالمِ صغیر ہے اک عالمِ کبیر
کیسے کوئی ثنا کرے ارض و سما بغیر

کُن میں ہے کیسے کیسے فیکوں بسے ہوئے
ارض و سما کی بات نہ کرنا خدا بغیر

قسمت میں ہجر و وصل بھی منسوب تجھ سے ہی
کیا ہوتی زندگی کی حقیقت قضا بغیر

شاداؔب سارتر جو کہے، میں سمجھتا ہوں
پیدا جہان ہو نہیں سکتا خدا بغیر

پروفیسر ڈاکٹر شاداب احسانی

o

اس طرح ہو خاتمہ مجھ جیسے پُر تقصیر کا
ہو دمِ آخر وہی سجدہ جو تھا شبیرؓ کا
تجھ سے ہے مالک! مناجاتوں کا دائم سلسلہ
سننے والا ہے مصائب تُو ہی مجھ دلگیر کا
توڑتا ہوں دل میں پوشیدہ بتانِ کفر و شرک
یعنی بربادی میں ہے نقشہ چھپا تعمیر کا
پیٹ میں مچھلی کے، یونس کو عطا کی زندگی
علم یوسف کو دیا تھا خواب کی تعبیر کا
خوش گلوئی سے نوازا حضرتِ داؤد کو
عیسیٰ کمسن کو بخشا معجزہ تقریر کا
تُو نے موسیٰ کو دیا تھا طور پر اذنِ کلام
اور عصا باعث کیا، فرعون کی تحقیر کا
میرے آقاؐ کو دیا شق القمر کا معجزہ
پھر شبِ معراج ،ہر رتبہ دیا توقیر کا
دیر کر دیتا ہوں شارقؔ توبہ میں بعدِ گناہ
اس کی بخشش میں نہیں امکاں کوئی تاخیر کا

شارق رشید

o

سنا جب سے کلامِ خالقِ کُل
ہے میرے لب پہ نامِ خالقِ کُل
ازل ہو یا ابد سب ہیں اسی کے
یہی تو ہے دوامِ خالقِ کُل
بسایا دھڑکنوں میں نام اپنا
عجب ہے انصرامِ خالقِ کُل
وہ ہے سرشاریوں کی انتہا پر
پیا جس نے بھی جامِ خالقِ کُل
کرے زندہ کہ مارے زندگی کو
یہی تو ہے نظامِ خالقِ کُل
یہ روز وشب یہ گردش موسموں کی
منظّم ہے نظامِ خالقِ کُل
تصدق اُس پہ شاعؔر جاں ہے میری
دیا جس نے پیامِ خالقِ کُل

شاعر علی شاعر

o

خدائے پاک کی رحمت سے آس رہتی ہے
اسی لیے تو بدن میں یہ پیاس رہتی ہے
اسے میں عرشِ معلیٰ پہ کس لئے ڈھونڈوں
جو ذات میری رگِ جاں کے پاس رہتی ہے
ضروری یہ ہے کہ مانگیں فقط خدا سے ہم
یہ نسلِ نو یونہی اتنا اداس رہتی ہے
یقین کیجئے فطرت کا رنگ ہے یہ بھی
جو سوکھے پھول میں تھوڑی سی باس رہتی ہے
بھلا کے رب کی عبادت بھٹک گئی تھی کبھی
یہ جاں زمانوں سے وقفِ ہراس رہتی ہے
یقین کیجئے پہچان جائے گی رب کو
ہماری آنکھ اگر خود شناس رہتی ہے
ولیؔ ذلیل بہت کردے دربدر ہونا
خدا کی یاد ہی مومن کو راس رہتی ہے

شاہ روم خان ولی

o

سر پر مرے جو دھوپ میں ٹکڑا گھٹا کا ہے
مجھ پر کرم یہ خاص مرے کبریا کا ہے
کیا شان ہو بیان تری ربِ ذوالجلال
ہم پر بھی فرض بس تری حمد وثنا کا ہے
رازق ہے کل جہان کا پروردگار تُو
ہر پل ہی آسرا ہمیں تیری عطا کا ہے
کرنا خطا معاف غفورالرحیم تُو
آدم قصور وار ہے، پتلا خطا کا ہے
نامِ خدا ہی اب مری دھڑکن کا ورد ہو
میں جانتی ہوں زندگی جھونکا ہوا کا ہے
رکھنا خدایا حشر میں پردہ حیات کا
نہ وصفِ بندگی، نہ سلیقہ دعا کا ہے

شفقت حیات

o

بس وہی عاقل وہی دانا ہوا
چھوڑ کر ہر اک کو جو تیرا ہوا
ہیں سبھی مخلوق،خالق ایک تُو
ہے یہ گلشن تیرا مہکایا ہوا
حکم تیرا ہی چلے ہر ایک پر
کُل جہانوں پر ہے تُو چھایا ہوا
علم کامل ہے، نظر کامل تری
کون تیری حد سے ہے نکلا ہوا
دل وہی سالم ہے تُو جس میں بسے
تُو نہیں جس میں وہ دل بکھرا ہوا
آج کا انسان غافل تجھ سے ہے
کیوں ہوا، کیسے ہوا، یہ کیا ہوا
اِس کرم پر شکر ہے یارب ترا
حمد میں تیری قلم گویا ہوا

شمس القمر عاکف

o

واسطے اللہ کے ہے مدحِ کل
کس طرح ہو آدمی سے مدحِ کل
دل سے آئے ہے صدائے مدحِ کل
راس آئی ہے ہوائے مدحِ کل
ہو رہا ہے عطر سا سارا سماں
ہو رہی ہے ہولے ہولے مدحِ کل
اہلِ عالم کو سکوں اس سے ملا
عام ہے ہر سُو عطائے مدحِ کل
اسمِ اطہر ہے مرے وردِ لساں
دردِ ہر سے دور رکھے مدحِ کل
اس طرح مسعود ہے عمرِ رواں
ہر گھڑی، ہرلمحہ ہووے مدحِ کل
حوصلہ دے وہ دلِ محمودؔ کو
مالکِ واحد کی لکھے مدحِ کل

شوکت محمود شوکت

o

میرے دل کے آئینے پر ایک انوکھا نام لکھا ہے
اس کے گھر کو جانے والا رستہ میں نے ڈھونڈ لیا ہے
دنیا کی ہر شے کے بدلے میں نے اس کو مانگ لیا ہے
ظلمتِ شب میں اکثر میں نے نور کا اک ہالہ دیکھا ہے
وہ ہی میری جان کا محور وہ ہی میرا قبلہ نما ہے
سجدے آنکھوں سے ٹپکے ہیں جب بھی اس کا ذکر کیا ہے
پیار ہے اس کا ایک سمندر قطرے کو دریا کرتا ہے
اس کے قدموں میں رہنے سے خاکی کا رتبہ بڑھتا ہے
اُس کے در سے بن مانگے ہی کیا کچھ ہم سب کو ملتا ہے

ذکر خدا اور ذکرِ محمدؐ
لب پہ میرے صبح و مسا ہے

ڈاکٹر شہناز مزمل

o

جس کو چاہا اُسے معتبر کردیا
پتھروں کو بھی تُو نے گُہر کردیا
تیرے ہی دم سے راہِ ہدایت ملی
تُو نے رہزن کو بھی راہ بر کردیا
دہر میں جس کو چاہا خدائے عمل
نامور کردیا، تاجور کردیا
مجھ کو دے کر متاعِ شعورِ ہنر
مجھ سی کم فہم کو دیدہ ور کردیا
تیری ہستی سے انکار جس نے کیا
اُس کو دنیا میں زیر وزبر کردیا
کیوں نہ میں تیری مرہونِ احساں رہوں
شامِ ظلمت کو میری سحر کردیا
میرے حرفوں کو شیریں نوا بخش دی
تُو نے میرے سخن کو امر کردیا

شیریں عنبر لغاری

قَالَ رَبِّ اَرِنِی اُنظُر اِلَیکَ

مرے خواب اور مری خواہشیں
مرے آنسوؤں کے یہ سلسلے
مرے رَتجگے
مری نیم شب کی ریاضتیں، یہ عبادتیں
غمِ ہجر میں
یہ تھکے ہوئے مرے دھیان کے
سبھی قافلے، مرے آبلے
یہ تمام زاویے
بس تجھے ہی تو کھوجنے میں
فنا ہوئے
میں وہی ہوں
جس کو ازل سے تیری تلاش ہے
تجھے ڈھونڈتا ہوا
پھر رہا ہوں میں در بہ در

اے مرے خدا!
کبھی یوں بھی کر
کہ صدائے کن فیکون سے
مرے جسم و جاں کو نکھار دے
یہ جو ''لن ترانی'' کا بوجھ ہے
اسے میرے دل سے اُتار دے
مری چشمِ نم کو تجلیوں کا خمار دے
کبھی ایک لمحۂ دید میں
سبھی اُلجھنوں کو سنوار دے
میں خزاں رسیدہ چمن ہوں
مجھ کو
متاعِ فصلِ بہار دے

طاہر اسیر

o

سجدہ ریزی رب کے آگے ہے بشر کا ارتقا
رب کے گھر کی دید ہے قلب و نظر کاارتقا
حمدِ باری کی فضیلت جانتے ہیں اہلِ دل
ہے یہی ایماں ، یہی فکر وہنر کاارتقا
حمدِ رب کرتا ہے اپنے دائرے میں رات بھر
چودھویں کی رات دیکھا ہے قمر کاارتقا
صدقِ دل سے خالقِ عالم کا جو بندہ بنا
ہے یہیں سے اُس کی ذاتِ معتبر کا ارتقا
حمدِ رب کہنے کا میں نے جب ارادہ کرلیا
قلب میں اترا مرے نورِ سحر کاارتقا
طاہرؔ سلطانی رب کا خوف ہے وہ رہنما
جو عطا کرتا ہے جینے کے ہنر کا ارتقا

طاہرسلطانی

o

اَن کہی میں کہا ہوا تُو ہے
سارے حرفوں سے ماورا تُو ہے
اُڑتے پھرتے کبوتروں کی طرح
اُجلی اُجلی مری دعا تُو ہے
تیرا دلدار حسن کی معراج
اور اُس کا بھی دل رُباتُو ہے
بے خودی میں مَیں گنگنا اُٹھا
دلبرا! یار آشنا تُو ہے
کام آیا نہ جب مرا ادراک
میں وہیں کہہ اُٹھا خدا تُو ہے

طاہرشیرازی

o

مجھ پر کرمِ سورۂ رحمٰن بہت ہے
اللہ تعالیٰ کا یہ احسان بہت ہے
یہ دیدۂ پُر نم یہ جبینِ عرق آلود
بخشش کا مری جان! یہ سامان بہت ہے
ہونٹوں پہ مرے سورۂ اخلاص سجی ہے
سرکارِ دوعالم کا یہ احسان بہت ہے
قرآن کا پیغام، محمدؐ کی شریعت
واعظ! قسم اللہ کی آسان بہت ہے

ظفر ہاشمی

o

نہیں میرا کوئی حامی خداوندا سوا تیرے
سناؤں کس کو میں حالِ پراگندہ سوا تیرے
پھنسا ہے مرغِ دل بے طرح میرا بند عصیاں میں
چھڑا دے کون ،کس سے یہ کھُلے پھندا،سوا تیرے
رگ وریشہ ہے میرے قلب کا آلودۂ عصیاں
کسی سے ہو سکے کیا پاک یہ گندہ سوا تیرے
زمیں کیا، آسماں کیا، کوہ کیا، گلزار و صحرا کیا
کبھی ہوجائیں گے اک دن پراگندہ سوا تیرے
ظہورِ کل شئ ھالکٌ برپا ہے عالم میں
نہیں موجود کوئی چیز پائندہ سوا تیرے
نگینِ دل سے مٹ جائے نشانِ عالمِ فانی
کسی شے کا نہ نقش اس میں رہے کندہ سوا تیرے
نہ ہو مطلب کسی سے یاد تیری میری ہمدم ہو
نہ کوئی کام ہو مجھ کو نہ کچھ دھندہ سوا تیرے
حسؔن اوپر میرے فریاد لایا نفسِ سرکش کی
مدد چاہے بھلا کس سے ترا بندہ سوا تیرے

خواجہ عزیز الحسن مجذوب

o

سن لو حکمِ رب یہ آیا قل ھوا اللہ احد
میرا دل پڑھتا رہے گا قل ھوا اللہ احد
شرک کی اب کوئی گنجائش کہیں باقی نہیں
نکتۂ توحید گونجا قل ھوا اللہ احد
جب کسی کو غیر جانا نفس کے بہکائے سے
دل یکایک بول اُٹھا قل ھوا اللہ احد
جس کو بھی اللہ نے توفیق کی ہے مرحمت
جان و دل سے بول اُٹھا قل ھوا اللہ احد
کچھ عجب سا کیفِ وحدت ہر طرف طاری ہوا
جب زباں پہ میری آیا قل ھوا اللہ احد
جو موحد ہیں وہ سارے ہم نوا میرے ہوئے
میں نے جب نعرہ لگایا قل ھوا اللہ احد
ہاں وہی ہے داد رس خاکی اسی سے لولگا
ہے وہی تیرا مسیحا قل ھوا اللہ احد

عزیزالدین خاکی

o

تخلیقِ دوسرا ہے کُن سے کمالِ ربی
ارض وسما میں کیا کیا عکسِ جمالِ ربی
ناقابلِ بیاں ہیں ساری صفاتِ اقدس
چاہے جمال ہو وہ یا کہ جلالِ ربی
ذرے سے مہر و مہ تک دیکھیں بغور جس کو
ہر چیز سے ہے ظاہر شانِ کمالِ ربی
گلزار کا شگفتہ مہکا جمیل منظر
رنگیں حروف میں ہے مدحِ جمالِ ربی
توحید کا ترانہ شیریں زبورِ وحدت
فردوسِ گوشِ جاں ہے سب قیل وقالِ ربی
گزری حیات جن کی درعالمِ جدائی
ہو ہی گیا بالآخر حاصل وصالِ ربی
یوں ہو کہ اسمِ اقدس ایک ایک سانس الاپے
دائم ہو ذہن و دل میں یاد وخیالِ ربی

غلام ربانی فروغ

o

مرے تکلم کو اذن دے تُو میں تیری حمد وثنا کروں گی
سکھا قرینہ بھی بندگی کا کہ فرض کچھ تو ادا کروں گی
تُو خالقِ کل، تُو مالکِ کل یہ کبریائی تجھے ہے زیبا
میں مدح یوں ہی کروں گی تیری، یوں شوقِ سجدہ ادا کروں گی
تری ہی وحدت کے زمزمے ہیں مرے خیالوں کے پیچ وخم میں
یہ صوت وآہنگ کے سلسلے سب میں اپنی ہستی میں وا کروں گی
نجوم وشمس وقمر گھٹائیں، زمیں پہ خوش رنگ یہ فضائیں
ہر ایک ذرّے میں جلوہ گر تُو، میں برملا یہ کہا کروں گی
عظیم بھی تُو، رحیم بھی تُو، غفور بھی تُو، کریم بھی تُو
تمھاری چوکھٹ سے اُٹھ کے یارب! کہاں میں بھٹکوں گی کیا کروں گی
مجھے بچائے گا حدتوں سے سکون بخشے گا وحشتوں سے
نجات دے گا وہ مشکلوں سے جو دست اپنا کشا کروں گی
تُو میرے لفظوں کو دے معانی، مرے قلم کو بھی دے روانی
ہے یکتا ذات وصفات تیری، لکھا کروں گی، پڑھا کروں گی
تُو بے سہاروں کا ہے سہارا، ہے رنج وغم میں تجھے پکارا
مری بھی قسمت کا چمکے تارا، میں رو کے اب التجا کروں گی

فرخندہ توقیر شمع

o

خالق ہے میرا تو ہی، تُو ہی مرا خدا ہے
تیرے سوا نہ کوئی معبود دوسرا ہے
سرکار کے وسیلے سے بخش دے خطائیں
توفیق اس عمل کی دے جو تری رضا ہے
تجھ سے نہاں نہیں ہے کوئی بھی حال میرا
ظاہر کو دیکھتا ہے باطن کو جانتا ہے
تیری ہی نعمتوں کے قاسم ہوئے محمد
جو کچھ جسے ملا ہے، وہ سب تری عطا ہے
برگ و شجر، پرندے کرتے ہیں ذکر تیرا
سب کے لبوں پہ جاری ہر دم تری ثنا ہے
عاصی ہوں میں خدایا، محشر میں لاج رکھنا
مجھ کو تو صرف تیری رحمت کا آسرا ہے
اس کی مہک سے آسی ہیں جسم و جاں معطر
حمد و ثنا کا دل میں اک پھول جو کِھلا ہے

قمر آسی

o

ورائے حدِ بصارت مَیں دیکھتا نہیں تھا
خلافِ عقل کوئی بات سوچتا نہیں تھا
کُھلے ہیں مجھ پہ محبت کے راز اب جا کر
کہ چشمِ قلب کو پہلے مَیں کھولتا نہیں تھا
بُتوں کے سامنے دامان تار تار کِیا
کہاں مقامِ جنوں ہے مَیں جانتا نہیں تھا
تری طلب کی عطا ہے قرینہ جینے کا
وگرنہ راہِ عمل پر مَیں دوڑتا نہیں تھا
نہ جانے میری طبیعت میں کیسی وحشت تھی
مَیں اپنے واسطے اچھّائی چاہتا نہیں تھا
مرے ہی دل میں تھا کاشفؔ نہاں قرار مرا
مگر وہاں مَیں کبھی اُس کو ڈھونڈتا نہیں تھا

کاشف رفیق

o

خدائے لم یزل اللہ تعالیٰ ہے نور بے بدل اللہ تعالیٰ
ہے اللہ ابتدا بھی انتہا بھی ابد تا از ازل اللہ تعالیٰ
یہ تنویرِ جمالِ کبریا ہے ہے ہر شے کی غزل اللہ تعالیٰ
فضا سبحانک اللہ کہہ رہی ہے پسِ امروز و کل اللہ تعالیٰ
جمیلِ محتشم اللہ اکبر ہے سلطانِ عمل اللہ تعالیٰ
جمیع و ناظم و موجود و غائب ہمیشہ اور اٹل اللہ تعالیٰ
پسِ تقدیر ہر صورت فنا کی دکھائے برمحل اللہ تعالیٰ

ارے گستاخ کر تحمیدِ باری
خدائے لم یزل اللہ تعالیٰ

گستاخ بخاری

o

علم و ہنر کی روشنی پروردگار دے
اہلِ سخن کی بزم میں بھی افتخار دے

اس عہدِ بے اصول میں بینا بنا مجھے
قادر ہے تُو، قدیم ہے، قسمت سنوار دے

ہر سُو جہالتوں کا دھواں پھیلنے لگا
فکرِ کتابِ نور تُو اے کردگار دے

نور وسرورِ معرفت سے کر تو سرفراز
عفو ووقارِ ملتِ بیضا نکھار دے

میدانِ کارزار میں دے قوتِ عمل
سیماب پا ہیں اہلِ دیں، ان کو قرار دے

گوہرؔ فضائے دہر میں رہتا ہے پُر ملال
فصلِ خزاں میں تُو اسے حسنِ بہار دے

گوہر ملیسانی

o

نیک بختی و پارسائی دے
سب ترا فضلِ کبریائی دے
کفر اور شرک کے اندھیرے میں
بس تری روشنی دکھائی دے
تُو غفور الرحیم سنتا ہے
جب یہ بندہ تری دُہائی دے
میں کروں بات انکساری سے
مجھ کو ہرگز نہ خودنمائی دے
سرخرو ہو سکوں میں روزِ جزا
مجھ کو محنت کی وہ کمائی دے
صرف تیرے اوراُن کے وصف لکھے
وہ قلم اور وہ روشنائی دے
راستی کی طرف جو جاتا ہے
مجھ کو رستہ وہی سجھائی دے
ہے گہرؔ تیرا بندۂ ناچیز
اس کے نالوں کو بھی رسائی دے

انصارالحق قریشی (گہرؔ اعظمی)

o

میرے آقا نے بتایا قل ھواللہ احد
وقت نے مژدہ سنایاقل ھواللہ احد
آئی اللہ الصمد کی میرے کانوں میں صدا
جب زباں پر میرے آیا قل ھواللہ احد
سورۂ اخلاص آئی جب شعورِ فکر میں
میری رگ رگ میں سمایا قل ھواللہ احد
کس قدر مخلص ہیں یہ کون ومکاں میرے لیے
اللہ اللہ یاد آیا قل ھواللہ احد
سر پہ چڑھ کے بول اُٹھی وحدانیت تیری، کہ جب
ہر زمانہ کہنے آیا قل ھواللہ احد
لم یلد اور پھر ولم یولد سنا انسان نے
جب زباں پر اپنی لایا قل ھواللہ احد
اُس نے بے پایاں آثر پایا دوعالم میں ثواب
جس نے دنیا کو سنایا قل ھواللہ احد

لطیف اثر

o

طیبہ کی سرزمین کا جلوہ دکھایئے
یارب مجھے حضور کا روضہ دکھایئے
روشن ہے جو مقامِ محمد کے نور سے
آنکھوں کو میری بھی وہ تماشہ دکھایئے
یارب بھٹک رہا ہوں میں تیرے جہان میں
مجھ کو نبی کے شہر کا رستہ دکھایئے
یارب! میں تجھ سے اور تو کچھ مانگتا نہیں
ہے ایک التجا مجھے طیبہ دکھایئے
یارب ترے حضور کا بنگش بھی ہے غلام
بنگش کو بھی حضور کا روضہ دکھایئے

محبت خان بنگش

o

کھلے گا دل کا در اللہ اللہ
کہو! دل سے مگر اللہ اللہ
ہر اک در کا ہے وہ ہی اصلی مالک
ہر اک در اُس کا در اللہ اللہ
ہوا دل لامعی اُس کی عطا سے
کہاں کوئی کسر اللہ اللہ
کوئی اُس کی طرح عادل کہاں ہے
مرا ہے داد گر اللہ اللہ
مرا حامی مددگارِ دوعالم
کہاں ہے کوئی ڈر اللہ اللہ
مرے ہمراہ ہر لمحہ وہی ہے
مرا دل اُس کا گھر اللہ اللہ

محسن اعظم محسن ملیح آبادی (م،ا)

o

رحمتیں اپنی کر عطا مولا
اپنے گھر میں مجھے بلا مولا
آس تجھ سے لگی ہے بس میری
گرمیِ حشر سے بچا مولا
موت آئے مجھے مدینے میں
ہو یہ پوری مری دعا مولا
صدقۂ شافعِ اُمم مجھ کو
راہ توبہ کی کر عطامولا
ایک مدت سے آرزو ہے مری
روضۂ مصطفٰے دکھا مولا
نعت کے صدقے زاہدؔ عاصی کو
مصطفٰے کی ملے رضا مولا

محمد احمد زاہد

o

ترا اسمِ گرامی چومتا ہوں
ترا ہی نام نامی چومتا ہوں
ترے گھر میں جو پتھر ہے مبارک
اسے دے کر سلامی چومتا ہوں
سزاوارِ عبادت ذات تیری
ترا نقشِ دوامی چومتا ہوں
خلاؤں، کہکشاؤں کو اے مولا!
ترا بن کر پیامی چومتا ہوں
نیابت میں تری میں جی رہا ہوں
تری رحمت مدامی چومتا ہوں
تری یادیں سکوں پرور ہیں مولا!
میں کرکے خود کلامی چومتا ہوں

محمد اقبال نجمی

o

خوشبو کی طرح تُو مری سانسوں میں بسا ہے
صد شکر دو عالم سے تجھے میں نے چُنا ہے
احساس کی دنیا میں ترا راج ہے ایسا
جو آنکھ نے دیکھا نہ کبھی دل نے سنا ہے
وہ ابرِ گہر بار مری خاک پہ برسے
صحرائے عرب جس سے نمو یاب ہوا ہے
آنکھوں میں سماتی ہی نہیں غیر کی صورت
وحدت نے تری مجھ پہ عجب سحر کیا ہے
میں ٹوٹ کے بکھرا نہیں آلامِ زماں سے
یہ حوصلۂ زیست فقط تیری عطا ہے
صد فخر ترے ذکر سے معمور مرا دل
صد شکر ترا بندہ ترا حمد سرا ہے

ڈاکٹر محمد ایوب شاہد

o

ہے حقیقت مجاز میں تیرے
سازِ ہستی ہے راز میں تیرے
تُو ہی دم ساز، تُو ہی ہے مونس
میرا ہر غم ہے راز میں تیرے
شان تحت الثریٰ میں ہے تیری
عرشِ اعظم فراز میں تیرے
تیری توفیق سے ہیں حمدسرا
سوز ہے نے نواز میں تیرے

محمد رفیق مغل

o

چاند تاروں کی چمک سے ہے عیاں نام ترا
گل وگلزار کی مہکار ہے پیغام ترا
صاحبِ کن! ترے محتاج زمانے والے
اور ہر اک کے لیے فیض ہوا عام ترا
تو نے اس کو بھی نوازا جو ترا منکر تھا
تیرے بندوں پہ ازل سے ہے یہ انعام ترا
میرے اعمال سیہ معاف ہوئے میرے کریم
مجھ پہ جاری ہے کرم ہر گھڑی ہر گام ترا
رات دن چاند ستارے گل وگلزار و کرن
دور کرتے ہیں دلوں سے سبھی ابہام ترا
خالقِ کل! لبِ ناظرؔ جو کرے مدح تیری
اس سے بڑھ کے ہو بھلا اور کیا انعام ترا

محمد عثمان ناظر

o

وہی کافی، وہی شافی و لے انشائیہ کیا ہے
ہمیں تو حمد کہنی ہے ردیف و قافیہ کیا ہے
نہ سمجھا زر پرستوں نے کہ عادل ہے خدا میرا
خدارا تو سمجھ کہ عدل کیا ہے عدلیہ کیا ہے
ابھی اک پل نہ گزرا تھا کہ پوچھا اہلِ محفل نے
بتا اے پیرِ کامل کلمۂ رب العلیٰ کیا ہے
عطا کی ربِ عالم نے دلوں کو وسعتِ صحرا
بشر کو کیا خبر ہے کہ مقامِ کبریا کیا ہے
وہی خالق ہے جنت کا وہی خالق جہنم کا
نہ ہو حدِ ادب مانع تو پوچھیں عندیہ کیا ہے
وجودِ عالمِ فانی کو ہم نے خوب تر جانا
نہ جانا کُن فکاں کیا ہے نظامِ کبریا کیا ہے
عزیزو! جب ہوا آنا مرا شہرِ خموشاں میں
تو پوچھا گورکن نے اے ہویدا! سوچتا کیا ہے

محمد یونس خان ہویدا

o

ذکر مالک کا مرے دل کو جواں رکھتا ہے
مجھ میں آباد کئی تازہ جہاں رکھتا ہے
کس قرینے سے وہ صحرا کی طنابیں کھینچے
کس سلیقے سے وہ دریا کو رواں رکھتا ہے
فرش، یہ عرش، یہ ہر شے پہ تصرف اُس کا
جس کو رکھنا ہو جہاں، اُس کو وہاں رکھتا ہے
کتنے ایسے کہ جنھیں پا نہ سکے فکر کا لمس
کتنے منظر وہ نگاہوں پہ عیاں رکھتا ہے
جب تلک زندہ ہوں میں حمد کہوں گا اُس کی
دیکھنا! وہ مری مٹی کو کہاں رکھتا ہے
جو ہے قیوم بھی، قادر بھی، قوی بھی ناصرؔ
اپنے قبضے میں وہی کون و مکاں رکھتا ہے

محمود ناصر

o

مرا وجدان جس کو سجدۂ تعظیم کرتا ہے
اُسے سارا جہاں اَپنا خدا تسلیم کرتا ہے
ہراک چہرے کے خال وخد میں ہے صنعت گری اُس کی
وہ تخلیقِ بشر ''فی احسن تقویم'' کرتا ہے
بہاروں، مرغزاروں میں، ستاروں ، آبشاروں میں
بہر صورت وہ حُسنِ ذات کی تجسیم کرتا ہے
سَروں میں سرفرازی کی تمنا بن کے رہتا ہے
دلوں میں رہ کے درسِ بندگی تعلیم کرتا ہے
وہ اپنی ذات کی وحدت کو منوانے پہ آئے تو
عطا آذر کے بت خانے کو ابراہیمؑ کرتا ہے
ہزاروں عکس اُس کی ذات کے مجھ میں بکھرتے ہیں
کوئی صدمہ جو دل کا آئینہ دو نیم کرتا ہے
بسا لیتا ہے جو احساس میں حسن و جمال اُس کا
حصار اپنی نگاہوں میں وہ ہفت اقلیم کرتا ہے
وہی کرتا ہے تخلیقِ چراغِ دیدۂ بینا
دلوں کا نور بھی عاجزؔ وہی تقسیم کرتا ہے

مشتاق عاجز

o

مرے لیے مرے اللہ دو حرم ہیں بہت
مرے گناہ تری رحمتوں سے کم ہیں بہت
تُو سامنے سہی تجھ تک رسائی سہل نہیں
یہ راہِ راست وہ ہے جس میں پیچ وخم ہیں بہت
خطا معاف میں دو وحدتوں کا قائل ہوں
کہ تیرے بعد محمدؐ بھی محترم ہیں بہت
کدھر کدھر تری آواز کی طرف جاؤں
وجود ایک ہے میرا مگر عدم ہیں بہت
نیاز مند مظفؔر کو بھی بتا، ان کا
وہ خاص ہستیاں جن پر ترے کرم ہیں بہت

مظفروارثی

o

اَبجدِ کون میں ہے جلوۂ انوارِ اَلِف
نقطہ نقطہ ہے یہاں مست بہ اسرارِ اَلِف
ہر خطِ دائرہ کھنچتا ہے اُسی کی جانب
ناز اَنداز لیے چلتی ہے پرکارِ اَلِف
معنٰی و حرف کا یہ ربطِ عیاں اور نہاں
سب کا مَرجِع ہے فقط حسنِ طَرَح دارِ اَلِف
اِس کا ہی رَنگ ہے پھیلا سرِ قرطاسِ حُدوث
گم ہے ہر شکل درالوانِ قِدَم زارِ اَلِف
اِک طرف ہیئتِ آتش میں تغیّر دیکھا
اِک طرف عشق سرِ دار گرفتارِ اَلِف
کوئی ہو جلوہ اِدھر روئے صفاتِ ازَلی
اب تو نظروں سے ہٹے پردۂ دیوارِ اَلِف
یہی ناو ہے، یہی ساحلِ اثبات و نفی
ہم تو ہیں شورشِ موّاجیِ ابحارِ اَلِف
اِس کی ہی نکہتِ دائم ہے وہی وردۂ میم
جس سے مقصودؔ مہکتا ہے یہ گلزارِ اَلِف

مقصود علی شاہ

o

زمین تیری زمیں کی فضا بھی تیری ہے
''یہ آسمان کی نیلی ردا بھی تیری ہے''
ترا وجود تو خلقت سے ماورا ٹھہرا
کبھی فنا ہی نہ ہو، وہ بقا بھی تیری ہے
دھڑک رہا ہے ہر اک دل تری عطا کے سبب
ہر اک وجود کے دل کی نوا بھی تیری ہے
کسی کی آنکھ سے ٹپکا، وہ اشک تیرا ہے
کسی زبان سے نکلی دعا بھی تیری ہے
رگِ گلو سے بھی تُو ہے قریب تر لیکن
کوئی نہ دیکھ سکے، وہ ادا بھی تیری ہے
یہ سوچتا ہوں سنوں میں بھی کس طرح منظرؔ
کسی نے جو نہ سنی، وہ نوا بھی تیری ہے

منظر عارفی

o

جو اٹھا کے بارِ گناہ ہم تری بارگاہ میں آ گئے
نہ کوئی خطر نہ کوئی حذر کہ تری پناہ میں آ گئے
تری سطوتوں کے علم لیے ترے جاں نثار جو چل پڑے
ہوئے ریزہ ریزہ پہاڑ بھی اگر ان کی راہ میں آ گئے
جو غریب پست نصیب تھے، وہ بدل گئے، وہ سنور گئے
ہوئے دو جہاں میں وہ محترم جو تری نگاہ میں آ گئے
ہوئی ہر طرف نئی روشنی ترے ذکر کی ترے فکر کی
کئی ماہتاب خیال کے جو شبِ سیاہ میں آ گئے
جو ترے کلام کی عظمتیں مرے دل پہ کھلتی چلی گئیں
کئی انقلاب حیات کے مرے سال و ماہ میں آ گئے
یہ ترے کرم کا کمال ہے جو میں گرتے گرتے سنبھل گیا
لگا یوں کہ حوصلے کوہ کے کسی مشتِ کاہ میں آ گئے

پروفیسر ڈاکٹر منور ہاشمی

o

محیطِ ارض و سماوات خالقِ عالم
بلند تر ہے تری ذات خالقِ عالم
ہوا کو رقص دیا پانیوں کو طغیانی
عجب ہیں تیرے کمالات خالقِ عالم
تمام نقش ترے حکم سے اُبھرتے ہیں
خرد کو دے تُو خیالات خالقِ عالم
جو تیرا اسم پکارے کسی بھی میداں میں
نہ ہو گی اس کو کبھی مات خالقِ عالم
کسی بھی کام سے گھبرا کے تنگ پڑ جائے
نہیں یہ تجھ میں علامات خالقِ عالم
کسی کی عقل میں ہرگز تو آ نہیں سکتا
ہے سب کی عقل ترے ہاتھ خالقِ عالم
ترے ہی اذن سے غلہ زمیں سے اُگتا ہے
قسم سے کیا ہے تری بات خالقِ عالم !
سجا ہے ذکر ترا جو زبانِ یاسؔر پر
فقط ہیں تیری عنایات خالقِ عالم

یاسر رشید

DHANAK RANG (8)

HAMAD NUMBER

Daud Tabish, Sajjad Hussain Sarmad

RS: 500/-